فہرست

شذرات	عورت کی امامت ـــــ اہل ''محدث'' کی خدمت میں	منظور الحسن	۲
قرآنیات	آل عمران (۳: ۸۱۔۹۹)	جاوید احمد غامدی	۷
معارف نبوی	دنیا میں آنے سے قبل بعض انسانی ارواح کا آپس میں مانوس ہونا	معز امجد	۱۵
	ابوطالب سے مکالمہ	طالب محسن	۱۷
	جمعہ کے وقت کا باب	ساجد حمید	۲۵
دین و دانش	اخلاقیات (۷)	جاوید احمد غامدی	۳۳
نقطۂ نظر	اسلامی حدود اور بین الاقوامی قوانین	مولانا زاہد الراشدی	۴۱
	''محدث'' کی بارگاہ میں	پروفیسر خورشید عالم	۴۵
حالات و وقائع	فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے	ریحان احمد یوسفی	۵۳
	ایف آئی آر	ً ً	۵۶
	کیا حقیقت پسندی جرم ہے؟	خورشید احمد ندیم	۵۹
	ابوبکر بن عبدالرحمان مخزومی	محمد وسیم اختر مفتی	۶۳
تبصرۂ کتب	''Isaac Or Ishmael''	ڈاکٹر محمد طاہر منصوری	۶۷

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

منظور الحسن

عورت کی امامت ـــــ اہل ''محدث'' کی خدمت میں

مذہبی حلقوں میں یہ مسئلہ پچھلے دنوں بہت شد و مد کے ساتھ زیر بحث رہا ہے کہ کیا کوئی خاتون ایک ایسی جماعت کی امامت کر سکتی ہے جس میں مرد مقتدی بھی شامل ہوں۔ مدیر ''اشراق'' جناب جاوید احمد صاحب غامدی سے اس کے بارے میں مختلف موقعوں پر لوگوں نے سوالات کیے۔ ان کے جواب میں انھوں نے اپنا جو موقف بیان کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسے حرام تو قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ ام ورقہ کی حدیث سے استثنائی حالات میں بظاہر اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ تاہم، یہ اس روایت کے یقیناً منافی ہے جو مسلمانوں میں ہمیشہ سے قائم رہی ہے اور وہ اسی کے حق میں ہیں کہ یہ روایت قائم رہنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امامت کے موقع پر عورت کا مرکز نگاہ بن جانا نماز جیسی عبادت میں لوگوں کی یک سوئی کو متاثر کر سکتا ہے۔ شریعت میں اسی بنا پر عورتوں کے لیے گھر کی نماز کو مسجد کی نماز سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب ''قانون عبادات'' میں لکھا ہے:

> ''عورتیں، البتہ (نماز باجماعت) کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے معاملے میں سنت یہی ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں آ سکتی ہیں، لیکن گھر کی نماز ان کے لیے اس کے مقابلے میں بہتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو، لیکن ان پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ ان کے گھر اس مقصد کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔'' (۷۴)

عورت کی نماز باجماعت میں شرکت اور اس کی امامت کے بارے میں استاذ گرامی کا یہی موقف ہے۔ اس موقف کا اظہار انھوں نے اس مسئلہ پر بحث کے آغاز ہی میں جیو ٹی وی کے ایک مذاکرے میں بھی کیا تھا۔ انھی دنوں ''المورد'' کے ذرائع ابلاغ میں بھی اس موضوع پر دو مضامین شائع ہوئے تھے۔ ایک مضمون ''المورد'' کے ایسوسی ایٹ

فیلو جناب ساجد حمید صاحب کا تھا جو''المورد'' کی ویب سائٹ پر شائع ہوا اور دوسرا مضمون ''قرآن کالج'' لاہور کے استاد جناب پروفیسر خورشید عالم صاحب کا تھا جو ماہنامہ ''اشراق'' مئی ۲۰۰۵ کے ''نقطۂ نظر'' کے کالم میں شائع ہوا۔ ساجد حمید صاحب نے اپنے مضمون میں یہ موقف اختیار کیا کہ اسلام نے عورت پر نماز کی امامت کی ذمہ داری نہیں ڈالی اور نہ اس سے کسی صورت میں امامت کا مطالبہ کیا ہے۔ پروفیسر خورشید عالم صاحب کا مضمون ایک تجزیاتی مضمون تھا جس میں انھوں نے بیان کیا تھا کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ جس پر ایمان کا دارو مدار ہو۔ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے اور اس کے بارے میں فقہا کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنی تحقیق کے مطابق اس اختلاف کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے اس مضمون میں اپنا رجحان عورت کی امامت کے حق میں ظاہر کیا تھا۔

اس پس منظر میں ہر شخص یہی رائے قائم کرے گا کہ جناب جاوید احمد غامدی مردوں کی جماعت میں عورت کی امامت کو علی الاطلاق موزوں نہیں سمجھتے اور ان کے شاگرد بھی کم وبیش یہی رائے رکھتے ہیں۔ البتہ، جہاں تک پروفیسر خورشید عالم صاحب کا تعلق ہے تو وہ اس کے برعکس عورت کی امامت کے قائل نظر آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کے مضمون کو اشراق نے چونکہ ''نقطۂ نظر'' کے کالم میں شائع کیا ہے، اس لیے اسے مدیر ''اشراق'' یا حلقۂ ''اشرق'' کا نمائندہ موقف نہیں کہا جا سکتا۔ ہر شخص یہی کہے گا، مگر تعجب انگیز واقعہ یہ ہے کہ ماہنامہ ''محدث'' نے پروفیسر صاحب کے اسی مضمون کو حلقۂ ''اشراق'' کا ترجمان قرار دے کر جون کا پورا شمارہ اسی پر تنقید وتبصرے کی نذر کیا ہے۔

پروفیسر خورشید عالم صاحب کے بارے میں یہ بات معلوم ومعروف ہے کہ وہ ایک صاحب فکر دانش ور ہیں جو علمی اور فکری موضوعات پر براہ راست تحقیق کرتے، نتائج مرتب کرتے اور ان کی روشنی میں مضامین تالیف کرتے ہیں۔ یہ مضامین گاہے گاہے مختلف جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب ادارۂ ''اشراق'' یا اس کے حلقۂ فکر سے وابستہ نہیں ہیں۔ ''اشراق'' ان کی علم دوستی کا قدر دان ہے اور اسی بنا پر اس نے ان کے مضامین کو شامل اشاعت کیا ہے۔ تاہم، اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ فاضل مصنف ''اشراق'' کے افکار کے ترجمان ہیں یا حلقۂ ''اشراق'' ان کے افکار کا علم بردار ہے۔ مزید براں پروفیسر صاحب کے مذکورہ مضمون کو ''اشراق'' نے ''نقطۂ نظر'' کے کالم میں شائع کیا ہے اور یہ تحریر وصحافت کا مسلمہ ہے کہ کسی اخبار یا جریدے کے نقطۂ نظر کے کالم میں شائع ہونے والے مضامین اس اخبار یا جریدے کے نمائندہ نہیں ہوتے۔ صحافت کی دنیا میں یہ اسلوب علم دوستی کے فروغ اور اختلافی موضوعات پر مکالمے کی فضا کو قائم کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ ''اشراق'' کے اس شمارے میں بھی ''نقطۂ نظر'' کا کالم موجود ہے اور اس میں ''اشراق'' کے کسی نمائندہ مصنف کی تحریر نہیں چھپی، بلکہ مکتب دیوبند کے

ممتاز عالم دین مولانا زاہدالراشدی صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے۔ چنانچہ پروفیسر خورشید عالم صاحب کے مذکورہ مضمون کو کسی طرح بھی ''اشراق'' کا نمائندہ مضمون قرار نہیں دیا جاسکتا۔ تاہم، اس کے باوجود ''محدث'' کے اداریے میں پورے اصرار کے ساتھ اس مضمون کو 'اشراق' کا نمائندہ قرار دیا گیا ہے۔ مدیر ''محدث'' لکھتے ہیں:

''حلقۂ اشراق کی تازہ ترین کاوش اسی عورت کے امامت کے مسئلہ پر ڈاکٹر امینہ ودود اور اسریٰ نعمانی کے کارنامے کی حمایت میں سامنے آئی ہے۔ ایسے اہل فکر و تدبر کو اس واقعے میں کئی ایک اسلامی تعلیمات سے انحراف تو نظر نہیں آتے، بلکہ بڑی سادگی سے وہ اس جماعت کی امامت کرانے والی عورت پر 'نیک و پارسا' ہونے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں جو ان تمام تر انحرافات کو قائم کرنے کا سبب بنی ہے۔

اس موضوع پر اخبارات و جرائد میں بیسیوں مضامین شائع ہوئے ہیں مگر کسی ایک محقق یا عالم نے بھی ایسی امامت کا جواز کشید نہیں کیا۔ لیکن اشراق نے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے نادر اقوال، باطل احتمالات اور دور از کار تاویلات کی بنا پر اسلامی ذخیرۂ علم کے کونے کھدروں سے اس کا جواز کھینچ ہی نکالا ہے۔

یہ بحث خالصتاً دینی اور لادینی طبقات کی بحث تھی، تحریک نسواں کے علم برداروں نے ہی اپنے مقاصد کے لیے اسے اٹھایا تھا لیکن حلقۂ اشراق نے تمام تر پس منظر اور پیش منظر کو نظر انداز کرتے ہوئے پہلے اسے صرف ایک نکتہ پر مرکوز کیا پھر اسے ایک فقہی بحث بنا دیا اور مسلمانوں کا فقہی اختلاف نکال کر گویا اس کا جواز ثابت کرنا شروع کر دیا۔...

محدث کے حالیہ شمارے میں شائع ہونے والے مضامین اسی مضمون کے ردعمل میں لکھے گئے ہیں جو اشراق نے مئی ۲۰۰۵ کے شمارہ میں شائع کیا ہے اور جس میں انھوں نے ہر ممکنہ طریقہ سے عورت کی امامت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔

عورت کی امامت کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا موقف تو ان فاضل علماے کرام کے مضامین کے بعد نکھر ہی جائے گا، لیکن حلقۂ اشراق کی اسلام پر اعتراض کرنے والوں سے ہم نوائی ایک بار پھر کھل کر سامنے آ گئی ہے۔'' (محدث ۱۲)

''محدث'' کی اس کاوش کو کوئی شخص سہو و نسیان سمجھ کر ایک عام انسانی لغزش سے بھی تعبیر کرسکتا ہے اور تجاہل عارفانہ کہہ کر ایک اخلاقی جرم بھی قرار دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمانوں سے حسن ظن رکھنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا ہم اسے سہو اور عدم تنبہ ہی پر محمول کرتے ہیں، مگر اس گل افشانی گفتار کے بارے میں کیا کہا جائے جو مدیر ''محدث'' نے اصل موضوع سے قطع نظر کرتے ہوئے مزید براں کی ہے اور ایسی معلومات فراہم کی ہیں جو خود مدیر ''اشراق'' کے علم میں بھی نہیں ہیں۔ لکھتے ہیں:

''ذرائع ابلاغ میں امریکہ کی یہ پالیسی واضح طور پر آ چکی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے دین دار طبقہ کے بالمقابل آزاد فکر دانشوروں کی ہر ذریعے سے مدد کی جائے اور خود سامنے آنے کی بجائے مسلمانوں کے مقابلے میں بظاہر انھی جیسے آزاد خیال مسلمانوں کو لایا جائے۔ یہ بات بھی امریکی پالیسی میں شائع ہو چکی ہے کہ حدیث نبوی پر زیادہ سے زیادہ

اعتراضات کو ہوا دی جائے اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں بڑھ چڑھ کر اسلامی نظریات پر شبہات و اعتراضات پیش کیے جائیں۔

اس امر کی نشاندہی افسوس ناک ہے کہ جاوید احمد غامدی کا یہ حلقہ ان دونوں میدانوں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات کو ابھارنے میں نمایاں کردار پیش کرنے میں کوشاں ہے۔ جناب غامدی کا اس روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو مہمیز لگانے کا کردار اس طرح بھی اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ وہ دو سے زائد بار جنرل پرویز مشرف سے علیحدگی میں خصوصی ملاقات کر چکے ہیں اور خود امریکی سفیر بھی اس سلسلے میں ان کے گھر آ چکے ہیں۔ یہ باتیں حلقہ اشراق میں عام پھیلی ہوئی ہیں۔ پاکستان میں روشن خیالی کا پرچارک ٹی وی چینل 'جیو' بطور خاص مسٹر جاوید غامدی کو نمائندگی دے رہا ہے اور ایک پرائیویٹ چینل 'آج' تو گویا انھی کے افکار کے لیے مخصوص ہے۔ انگریزی اخبار 'ڈان' میں اشتہارات شائع کرانے پر اس قدر اخراجات اٹھتے ہیں کہ کوئی مذہبی تنظیم اس کی متحمل نہیں ہو سکتی لیکن جناب غامدی کے اولین صفحہ پر نصف صفحہ کے اشتہار اس اخبار میں تواتر سے شائع ہوتے ہیں جس میں ان کے ٹی وی پروگرام دیکھنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔'' (۱۱)

اس اقتباس میں چند واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ مدیر ''اشراق'' دو سے زائد بار جنرل پرویز مشرف صاحب سے علیحدگی میں خصوصی ملاقات کر چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ امریکی سفیر نے ان کے گھر آ کر ان سے ملاقات کی ہے اور تیسرے یہ کہ انگریزی اخبار ''ڈان'' میں اولین صفحہ پر غامدی صاحب کے نصف صفحہ کے اشتہار تواتر سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان تینوں باتوں میں سے اگرچہ کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے کہ جس پر دین و اخلاق یا قومی حمیت کے حوالے سے اعتراض کیا جا سکے، اور اگر یہ جرم ہیں تو واضح رہنا چاہیے کہ ہمارے اکثر مذہبی قائدین وقتاً فوقتاً ان کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، تاہم حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں بیانات خلاف حقیقت ہیں۔ صدر پرویز مشرف صاحب سے غامدی صاحب کی دو نہیں، بلکہ ایک ملاقات ہوئی ہے اور یہ کوئی خصوصی ملاقات نہیں تھی، بلکہ اس موقع پر ہوئی تھی جب صدر مملکت نے گزشتہ رمضان میں عمومی طور پر ملک بھر سے سو دو سو اہل علم و ادب کو مدعو کیا تھا۔ امریکی سفیر کی غامدی صاحب کے گھر میں آمد تو کجا کسی مجلس میں بھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ''ڈان'' کی پوری تاریخ میں غامدی صاحب کے ادارے کی طرف سے صرف ایک اشتہار شائع ہوا ہے اور وہ سرورق پر نصف صفحہ کا نہیں، بلکہ اس کے ایک میگزین کے صفحہ ۲۵ پر شائع ہونے والا دو انچ کا دو کالمی اشتہار ہے اور اس میں ان کے ٹی وی پروگراموں کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ان کی کتابوں کے نام مذکور ہیں۔

تعجب ہے کہ یہ ''موضوع'' روایتیں ''محدث'' نے نقل کی ہیں۔ اس محدث نے، جس کے صفحۂ اول پر ''ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ'' کے الفاظ رقم ہیں اور صفحۂ آخر پر انصاف پسندی اور اعتدال پسندی کا دعویٰ کیا گیا ہے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اور جو خود کو محدثین کا نمائندہ قرار دیتا ہے۔ انھی محدثین کا جنھوں نے تحقیق روایت کا وہ بے مثال فن ایجاد کیا ہے جس کے نتیجے میں جھوٹ اور سچ کا التباس کم و بیش ناممکن ہو جاتا ہے۔ بہر حال، ہم اہل ''محدث'' کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں قرآن مجید کی طرف بھی متوجہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے بعد امید ہے کہ وہ کتاب الٰہی کی اس ہدایت کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکیں گے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ، اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۶)

''اور جس چیز کا تمھیں علم نہیں، اس کے درپے نہ ہوا کرو۔ کیونکہ کان آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک چیز کی پرسش ہونی ہے۔''

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(۱۸)

(گزشتہ سے پیوستہ)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ، لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ، ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ، لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ، قَالَ: ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ؟ قَالُوْٓا: اَقْرَرْنَا، قَالَ: فَاشْهَدُوْا، وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ، فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور اِنھیں یاد دلاؤ، جب اللہ نے نبیوں کے بارے میں اِن سے عہد لیا تھا کہ میں نے جو شریعت اور حکمت تمھیں عطا فرمائی ہے، پھر تمھارے پاس کوئی رسول[۱۵۱] اُس کی تصدیق کرتے ہوئے آئے جو تمھارے پاس موجود ہے تو تم اُس پر ایمان لاؤ گے اور اُس کی مدد کرو گے۔ (اِس کے بعد) پوچھا: کیا تم نے اقرار کیا اور اِس پر میرے عہد کی ذمہ داری اٹھالی ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اقرار کیا تو فرمایا کہ گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ (فرمایا کہ) پھر اس کے بعد جو (اِس عہد سے) پھریں گے تو وہی نافرمان ہیں[۱۵۲]۔ ۸۱۔۸۲

---

[۱۵۱] اس میں لفظ اگرچہ عام ہے، لیکن صاف واضح ہے کہ اشارہ خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جن کی بعثت سے اس دین کی تصدیق ہوئی جو اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کو دیا گیا تھا، لیکن استاذ امام کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ، وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعاً وَّكَرْهاً، وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ، وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا، وَمَآ أُنْزِلَ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ، وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى

(یہ پیغمبر اِسی طرح آئے ہیں) تو کیا یہ لوگ (اب) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہیں، دراں حالیکہ زمین و آسمان میں طوعاً وکرہاً، سب اُسی کے فرماں بردار ہیں اور اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔[۱۵۳] اِن سے کہہ دو کہ ہم نے اللہ کو مانا ہے اور اُس چیز کو مانا ہے جو ہماری طرف نازل کی گئی اور جو ابراہیم،

الفاظ میں یہ ان کی شامت تھی کہ جس نے ان کی تصدیق کی، اس کو انھوں نے جھٹلایا اور جس کی حجت اور شہادت کا بارگراں وہ اتنی مدت تک اٹھائے رہے، جب وہ آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کر دی۔

[۱۵۲] اس جملے کا ایک خاص موقع ہے جو نگاہ میں رہے تو اس کا پورا زور سمجھا جا سکتا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''... موسوی شریعت میں یہ قاعدہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کی ہدایات اترتیں تو حضرت موسیٰ ان کو انفرادی طور پر اپنے صحابہ کو صرف سنا دینے ہی پر اکتفا نہ فرماتے، بلکہ بنی اسرائیل کی پوری جماعت یا کم از کم ان کے تمام سرداروں کو خیمۂ عبادت میں جمع کرتے، تابوت سامنے ہوتا، حضرت موسیٰ وعظ و تذکیر کے بعد خداوند خدا کا حکم سناتے، پھر سب سے اس کی اطاعت کا اقرار لیتے۔ سب کے اقرار کے بعد لوگوں کو اس کا گواہ رہنے کی تاکید کرتے، اور خدا کو اس پر گواہ ٹھہراتے۔ آخر میں اس حکم کی نافرمانی کے دنیوی و اخروی عواقب و نتائج سے بھی آگاہ فرما دیتے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ کا ہر امر و نہی اللہ تعالیٰ اور بنی اسرائیل کے درمیان ایک عہد و میثاق کا درجہ حاصل کر لیتا۔ اب یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ جس شریعت کے تحفظ کے لیے یہ جتن کیے گئے، اس کے حاملوں نے اس کے ایک ایک عہد کے پرزے اڑا کے رکھ دیے۔ اس روشنی میں 'فمن تولیٰ بعد ذلك' کے الفاظ پر غور کیجیے تو 'بعد ذلك' کا حقیقی وزن محسوس ہوگا کہ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے عہد سے منہ موڑیں تو ان سے بڑھ کر عہد شکن کون ہوگا؟'' (تدبر قرآن ۲/ ۱۳۵)

[۱۵۳] یہ باانداز استعجاب سوال کیا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اپنے دائرۂ تکوینی میں اللہ کے دین ہی کی پیروی کر رہی ہیں۔ اس سے نہ دنیا میں کسی کے لیے راہ فرار ہے، نہ مرنے کے بعد۔ یہ اہل کتاب اس بات سے واقف ہیں۔ پھر اس دین فطرت اور دین کائنات کو چھوڑ کر یہ کہاں بھاگنا چاہتے ہیں؟

وَعِيسٰی وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَّبِّهِمْ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ، وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُونَ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيناً، فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ، وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِينَ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِی اللّٰهُ قَوْماً كَفَرُوا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ، وَشَهِدُوْٓا
أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ، وَّجَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ﴿۸۶﴾
أُولٰٓـئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ، وَالْمَلٰٓئِكَةِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴿۸۷﴾
خٰلِدِينَ فِيهَا، لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ، وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ

اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب اور اُن کی اولاد کی طرف نازل کی گئی، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے سب نبیوں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دی گئی۔ ہم اِن میں کوئی فرق نہیں کرتے۔[154] (یہ سب اللہ کے پیغمبر ہیں) اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔[155] (یہی اسلام ہے) اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اُس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور قیامت میں وہ نامرادوں میں سے ہوگا۔ (تم اِن کی ہدایت چاہتے ہو)؟ اللہ اُن لوگوں کو ہدایت کس طرح دے گا جو ماننے کے بعد منکر ہوگئے، دراں حالیکہ وہ اِس بات کے گواہ ہیں کہ یہ رسول سچے[156] ہیں اور اُن کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آ چکی ہیں، اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ اِس طرح کے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اِن کی سزا یہ ہے کہ اِن پر اللہ اور (اُس کے) فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔[157] یہ اُسی میں ہمیشہ رہیں گے، نہ اِن کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ اِنھیں مہلت دی جائے گی۔[158]

---

[۱۵۴] یعنی ہم ان کی طرح یہ نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ کی کسی ہدایت کو بھی ہم نہ جھٹلاتے ہیں اور نہ اس کی تردید کرتے ہیں، بلکہ بغیر کسی استثنا کے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

[۱۵۵] مطلب یہ ہے کہ ہم اس دین پر ایمان لے آئے ہیں جو پوری کائنات اور تمام انبیا علیہم السلام کا دین ہے۔ یہ اہل کتاب اگر اسے چھوڑ کر اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر دینا چاہتے ہیں تو کریں۔ ہم تو اپنے آپ کو اللہ ہی کے حوالے کرتے ہیں۔

[۱۵۶] یعنی ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے برحق رسول ہیں، لیکن زبانیں اس کے باوجود جھٹلا رہی ہیں۔

تَـابُـوا مِـنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ، وَأَصۡلَحُوا، فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۸۹﴾ إِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا
بَـعۡدَ إِيۡمَانِهِمۡ، ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡراً، لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ، وَأُوۡلٰٓـئِكَ هُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿۹۰﴾
إِنَّ الَّـذِيۡـنَ كَـفَـرُوۡا وَمَاتُوۡا، وَهُمۡ كُفَّارٌ، فَلَنۡ يُقۡبَلَ مِنۡ أَحَدِهِم مِّلۡءُ الأَرۡضِ
ذَهَباً، وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ، أُوۡلٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيۡمٌ، وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۹۱﴾

(اِن میں سے)، البتہ جو اِس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں، (وہ اِس سے محفوظ رہیں گے)، اِس لیے کہ اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ (اِس کے برخلاف) جو ماننے کے بعد منکر ہوئے، پھر اپنے اس انکار میں بڑھتے چلے گئے (اور اب موت کو سامنے دیکھ کر توبہ کرنا چاہتے ہیں)، اُن کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی اور وہی درحقیقت راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ (اِسی طرح) جو منکر ہوئے اور اِسی انکار کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے، وہ اگر (اپنے آپ کو سزا سے بچانے کے لیے) زمین بھر کر سونا بھی فدیے میں دیں تو اُن سے قبول نہ کیا جائے گا۔[159] اُن کے لیے دردناک عذاب ہے اور (وہاں) وہ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔[160] ۸۳۔۹۱

---

[۱۵۷] 'الناس' کے ساتھ اصل میں 'اجمعین' کا لفظ آیا ہے۔ یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ قیامت کے دن نیک و بد، سب ہی ان پر لعنت کریں گے۔ نیکوں کی لعنت تو واضح ہے۔ رہے بد تو وہ اس وجہ سے لعنت کریں گے کہ انھی کے سبب سے گمراہ ہوئے۔

[۱۵۸] اصل میں 'خٰلدین منها' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں اشارہ دوزخ کی طرف ہے۔ اگرچہ اس کا ذکر الفاظ میں نہیں ہے، لیکن اس سے پہلے جس لعنت کا ذکر ہے، وہی اس کے لیے قرینہ بن گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں گویا لعنت خود عذاب کی قائم مقام ہو گئی ہے۔

[۱۵۹] یہ اسلوب بیان محض اس بات کی تعبیر کے لیے اختیار کیا ہے کہ ان کی نجات کسی طرح ممکن نہ ہو گی۔ ورنہ آخرت میں نہ کسی کے پاس دینے کے لیے کچھ ہو گا اور نہ آخرت اس قسم کے لین دین کی کوئی جگہ ہے۔

[۱۶۰] مطلب یہ ہے کہ ان کے اسلاف اور بزرگوں کی شفاعت بھی، جس کی یہ توقع رکھتے ہیں، ان کے کام نہ آسکے گی۔ قیامت میں کوئی کسی کا مددگار نہ ہو گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ، وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ، فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ، اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآئِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ، قُلْ: فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ، اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ، فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

(اِن کا یہ رویہ محض اس وجہ سے ہے کہ دین داری کی بعض رسمیں پوری کر دینے کے باعث یہ اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ اِن سے کہہ دو)، تم نیکی کی حقیقت[۱۶۱] کو ہرگز نہیں پا سکتے، جب تک اُن چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمھیں محبوب ہیں، (اِس پر غور کرو) اور (یاد رکھو کہ) جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے، (اُس کا صلہ تمھیں لازماً ملے گا)، اس لیے کہ اللہ اُسے جانتا ہے۔[۱۶۲] ۹۲

(اِنھیں اعتراض ہے کہ یہ پیغمبر تورات کی تصدیق کرتے ہیں تو اِس میں جو چیزیں حرام ہیں، اُن میں سے بعض کو حلال کیوں سمجھتے ہیں؟ کہہ دو کہ) کھانے کی یہ سب چیزیں بنی اسرائیل کے لیے بھی (اِسی طرح) حلال تھیں، سوائے اُن کے جو اسرائیل نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے خود اپنے لیے ممنوع ٹھیرالی تھیں۔[۱۶۳] کہہ دو کہ لاؤ تورات اور اُس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو۔[۱۶۴] پھر اِس کے بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹ

---

[۱۶۱] نیکی کی حقیقت ایفاے عہد اور اداے حقوق و فرائض ہے۔ چنانچہ اصل میں لفظ 'البر' استعمال ہوا ہے جس کی روح یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی کی حقیقت پانا چاہتے ہو تو ان چیزوں کا اہتمام کرو۔ یہ محض دین داری کی چند رسمیں پوری کر دینے اور چند ظواہر کو اختیار کر لینے سے نہیں ملتی۔

[۱۶۲] اس سے مقصود اس کا لازم ہے۔ یعنی جب اللہ جانتا ہے تو مطمئن رہو کہ اس کا اجر بھی وہ دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک دے گا۔ تمھارے انفاق کا ایک حبہ بھی اس کے حضور میں ضائع نہ ہو گا۔

[۱۶۳] اشارہ ہے ان چیزوں کی طرف جو سیدنا یعقوب علیہ السلام محض طبعی اور ذوقی عدم مناسبت یا کسی احتیاط کے باعث نہیں کھاتے تھے اور یہود نے انھیں اللہ کی حرام کردہ چیزیں قرار دے کر تورات کی محرمات کی فہرست میں شامل کر دیا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قُلۡ: صَدَقَ اللّٰهُ، فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ إِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفاً، وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿٩٥﴾
إِنَّ أَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيۡ بِبَكَّةَ، مُبٰرَكاً، وَهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٩٦﴾ فِيۡهِ
اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ، مَّقَامُ إِبۡرٰهِيۡمَ، وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِناً، وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ
الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ إِلَيۡهِ سَبِيۡلاً، وَمَنۡ كَفَرَ، فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٩٧﴾

باندھیں، وہی ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے، اِس لیے (اپنے اِن تعصّبات کو چھوڑ کر) ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو، جو (اسلام کے راستے پر) بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔۹۳-۹۵

(اِسی طرح قبلے کے بارے میں بھی اِنھیں اعتراض ہے۔ اِن سے کہہ دو کہ) پہلی عبادت گاہ جو لوگوں کے لیے تعمیر کی گئی، وہ یقیناً وہی ہے جو مکہ[۱۶۵] میں ہے، تمام جہان والوں کے لیے برکت اور ہدایت کے مرکز کی حیثیت سے۔ اِس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں[۱۶۶]: ابراہیم کا مسکن ہے، جو اس میں داخل ہو جائے، وہ مامون ہے اور جو لوگ وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اُن پر اللہ کے لیے اِس گھر کا حج ہے۔ (یہ اِس کی نشانیاں ہیں)، اور جو اِس کے بعد بھی انکار کریں تو (اُنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔۹۶-۹۷

---

[۱۶۴] یعنی تورات میں دیکھ لو کہ اونٹ یا بعض دوسری چیزیں جنھیں تم حرام سمجھتے ہو، ان کی حرمت کا کوئی ذکر عہد ابراہیمی میں نہیں ہے۔

[۱۶۵] اس کے لیے اصل میں لفظ 'بكة' آیا ہے۔ اس کے لغوی معنی شہر کے ہیں جیسا کہ لفظ 'بعلبك' سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ یہاں یہ لفظ جس وجہ سے آیا ہے، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

> ''...یہود نے آخری بعثت کے نشانات گم کرنے کے لیے قرأت کے توڑ مروڑ یا بالفاظ قرآن 'لیّ لسان' کے ذریعے سے جو تحریفیں کی ہیں، ان کی ایک مثال یہ لفظ بھی ہے۔ اس کو یہود نے بگاڑ کر 'بکہ' کے بجائے بکاء بنا دیا اور اس کو مصدر قرار دے کر ترجمہ اس کا رونا کر دیا اور اس طرح 'وادی بکہ' کو رونے کی وادی میں تبدیل کر کے اس سب سے بڑے نشان کو گم کر دیا، جس سے خلق کو آخری نبی کے بارے میں رہنمائی مل سکتی تھی۔ اس آیت میں قرآن نے مکہ کو بکہ کے نام سے ذکر کر کے مکہ کے اس قدیم نام کی یاد دہانی کی ہے جو تورات کے صحیفوں میں تھا، بلکہ بعض صحیفوں میں اب بھی ہے، مثلاً زبور میں۔''

(تدبر قرآن ۱۴۵/۲)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قُلْ: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ، لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ، لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ، تَبْغُوْنَهَا عِوَجاً، وَّأَنْتُمْ شُهَدَآءُ، وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

(اِن سے) پوچھو، اے اہل کتاب، تم اللہ کی اِن آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو، دراں حالیکہ جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے؟ (اِن سے) پوچھو، اے اہل کتاب، تم اُن لوگوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لائے ہیں؟ تم اِس میں عیب ڈھونڈتے ہو، دراں حالیکہ تم اِس کے گواہ بنائے گئے ہو؟ (اِس پر غور کرو) اور (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ۹۸-۹۹

---

[۱۶۶] یعنی اس بات کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا گھر یہی ہے، اس لیے قبلہ بھی اسی کو ہونا چاہیے۔ اس کے بعد ان نشانیوں میں سے تین چیزوں کی طرف خاص اشارہ فرمایا ہے: ایک یہ کہ یہ مقام ابراہیم ہے، دوسری یہ کہ جو اس حرم میں داخل ہو جائے، مامون ہو جاتا ہے، تیسری یہ کہ اس کا حج ہمیشہ سے ایک دینی فریضہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہ تینوں چیزیں عرب میں سیدنا ابراہیم کی قائم کردہ روایت کی حیثیت سے لوگوں کے اجماع اور تواتر سے ثابت تھیں اور کوئی صاحب انصاف ان کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔ تورات میں بھی ان کے لیے ناقابل تردید شواہد موجود تھے اور اس کے پڑھنے والے اس حقیقت کی تردید نہیں کر سکتے تھے کہ سیدنا ابراہیم کے ہاتھوں جس بیت ایل کی تعمیر کا ذکر اس میں ہوا ہے، اس کا مصداق اگر کوئی ہو سکتا ہے تو بیت المقدس نہیں، بلکہ یہی مکہ کا بیت الحرام ہو سکتا ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معز امجد

دنیا میں آنے سے قبل بعض انسانی ارواح کا آپس میں مانوس ہونا

رُوِی أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الأرواح جنود مجندة، فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف[2].

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسانی ارواح (اس دنیا میں آنے سے قبل) جمع شدہ لشکر (کے مانند) تھیں۔ جو (وہاں) ایک دوسرے سے مانوس ہوئیں، وہ (یہاں بھی) آپس میں مانوس ہیں اور جو (وہاں) ایک دوسرے کے لیے نامانوس تھیں، ان (کی شخصیتوں) میں (یہاں بھی) اختلاف ہے[1]۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ترجمے کے حواشی

اس روایت کے مضمون کی نوعیت ایسی ہے کہ ہم کسی اور ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتے، تاہم قرآن مجید سے اتنی بات واضح ہے کہ اس مادی دنیا میں آنے سے قبل انسانی ارواح کسی نہ کسی حالت میں موجود تھیں۔ اس روایت کی صحت سے متعلق زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہی ہے کہ اس کا مضمون چونکہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہے، اس لیے راویوں نے اگر اسے ٹھیک نقل کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ یہ روایت درج ذیل مقامات پر نقل ہوئی ہے:

بخاری، رقم ۳۱۵۸۔ مسلم، رقم ۲۶۳۸۔ ابن حبان، رقم ۶۱۶۸۔ ابوداؤد، رقم ۴۸۳۴۔ احمد بن حنبل، رقم ۷۹۲۲، ۱۰۸۳۶، ۱۰۹۶۹۔ ابویعلیٰ، رقم ۴۳۸۱۔

۲۔ مسلم، رقم ۲۶۳۸ میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ راویوں نے اس روایت کے ساتھ سہواً ایک دوسری روایت کو جمع کر دیا ہے۔ وہاں یہ روایت اس طرح نقل ہوئی ہے:

الناس معادن کمعادن الفضة والذهب. خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا. والأرواح جنود مجندة، فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف.

''لوگ چاندی اور سونے کی کانوں کے مانند ہیں۔ جو دور جاہلیت میں سب سے اچھے تھے، وہ دور اسلام میں بھی سب سے اچھے رہیں گے اگر وہ سمجھ بوجھ پیدا کر لیں۔ اور انسانی ارواح (اس دنیا میں آنے سے قبل) جمع شدہ لشکر (کے مانند) تھیں۔ جن کی (وہاں) ایک دوسرے سے انسیت ہوئی، وہ (یہاں بھی) آپس میں مانوس ہیں اور جو (وہاں) ایک دوسرے کے لیے نامانوس تھیں، ان کی شخصیتوں میں (یہاں بھی) اختلاف ہے۔''

تخریج: محمد اسلم نجمی

کوکب شہزاد

ترجمہ و ترتیب: اظہار احمد

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

ابوطالب سے مکالمہ

(مسلم، رقم ۲۴)

عن المسیب رضی اللّٰہ عنہ قال : لما حضرت أبا طالب الوفاۃ جاءہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. فوجد عندہ أبا جھل وعبد اللّٰہ بن أبی أمیۃ بن المغیرۃ. فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یاعم، قل لا إلٰہ إلا اللّٰہ کلمۃ أشھد لک بھا عند اللّٰہ. فقال أبوجھل وعبد اللّٰہ بن أبی أمیۃ: یا أبا طالب، أترغب عن ملۃ عبد المطلب. فلم یزل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعرضھا علیہ ویعید لہ تلک المقالۃ حتی قال أبوطالب آخر ما کلمھم ھو علی ملۃ عبد المطلب وأبی أن یقول لا إلٰہ إلا اللّٰہ. فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أما واللّٰہ لأستغفرن لک مالم أنہ عنک. فأنزل اللّٰہ عز وجل: ما کان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین ولو کانوا أولی قربی من بعد ما تبین لھم أنھم أصحاب الجحیم. وأنزل اللّٰہ تعالٰی فی أبی طالب فقال لرسول اللّٰہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

صلى الله عليه وسلم: إنك لا تهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء وهو أعلم بالمهتدين.

''حضرت مسیّب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کی وفات کا موقع آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چچا، لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ کہہ دیجیے میں اس کی بنا پر آپ کے لیے گواہی دوں گا۔ اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: ابوطالب، کیا تم عبدالمطلب کے طریقے سے ہٹ جاؤ گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ پیش کرتے رہے اور وہ اپنی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ ابوطالب نے انھیں آخر کار یہی بات کہی کہ میں عبدالمطلب کے طریقے پر ہوں، اس طرح انھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخدا، میں اس وقت تک آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اس سے روک نہ دیا جاؤں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا: نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کے لیے درست نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے اگرچہ وہ قرابت مند ہی ہوں، حق کے واضح ہونے کے بعد دعاے مغفرت کریں۔ (بطور خاص) ابوطالب کے بارے میں اللہ تعالیٰ (نے آیات) نازل کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: تم انھیں ہدایت نہیں دے سکتے جنھیں تم (ہدایت دینا) چاہتے ہو۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت چاہنے والوں کو جانتا ہے۔''

اگلی روایت میں مسلم میں یہ تصریح ہے کہ صالح کی روایت آیتوں کے ذکر سے پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ اور معمر کی روایت میں 'یعید' کے بجائے 'یعیدان' آیا ہے۔

عن أبى هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمه عند الموت قل لا إله إلا الله أشهد لك بها يوم القيامة، فأبى. فأنزل الله : إنك لا

تهدی من أحببت.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے وقت اپنے چچا سے کہا تھا: آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے، میں قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جس کے بارے میں آپ پسند کرتے ہیں (کہ وہ ہدایت پائے)...۔''

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لعمه قل: لا إلٰه إلا اللّٰه أشهد لك بها يوم القيامة. قال: لو لا أن تعيرنی قريش يقولون إنما حمله علی ذلك الجزع لاقررت بها عينك. فأنزل اللّٰه: إنك لا تهدی من أحببت ولكن اللّٰه يهدی من يشاء.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا: آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے میں قیامت کے دن آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔ انھوں نے کہا: اگر ایسا نہ ہوتا کہ قریش مجھے یہ کہتے ہوئے عار دلاتے کہ اسے اس گھبراہٹ نے اس پر آمادہ کیا ہے تو میں تمھارے کہنے کے مطابق اقرار کر لیتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے جس کے بارے میں آپ پسند کرتے ہیں (کہ وہ ہدایت پائے)۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

لغوی مباحث

أبو طالب: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ان کا اصل نام عبد مناف تھا۔ نووی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ ان کی وفات ہجرت سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے ہوئی اور ابن فارس کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوطالب کی وفات کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۴۹ سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی۔ ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد حضرت

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

أبا جھل: ابوجہل کا اصل نام عمرو بن ہشام تھا۔

أما و اللّٰه: یہ بعض روایات میں الف کے بغیر یعنی 'أم و اللّٰه' بھی روایت ہوا ہے۔ قسم کے ساتھ بالعموم اسے ایسے ہی بولا جاتا ہے اور قسمیہ جملے کے شروع میں الا کی طرح بطور کلمۂ افتتاح کے آتا ہے۔ اس کا ایک استعمال 'أحقاً' کے معنی میں ہے۔ مثلاً: ' أحقا إن زيدا منطلق ' کے بجائے 'أما إن زيدا منطلق '۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ حرف استفہام کے ساتھ ما مزیدہ جوڑ کر بنایا گیا ہے۔

الجزع: بعض روایات میں 'جزع ' کی جگہ 'خرع ' آیا ہے۔ 'جزع ' کے معنی موت کے خوف کے ہیں۔ جبکہ 'خرع ' کے معنی کمزوری اور دہشت کے ہیں۔ بعض شارحین کا خیال ہے کہ یہاں 'خرع ' زیادہ موزوں ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف لکھی ہوئی عبارت کو پڑھنے میں ہوا ہے۔ قرائن 'جزع ' کے حق میں ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معنی

اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مکہ کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعے سے چار نکات سامنے آتے ہیں۔ آیندہ سطور میں ہم ان کی وضاحت کریں گے۔

پہلی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق ہے۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اہل خاندان سے غایت درجہ محبت کا ہے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو بار بار کلمۂ توحید کہنے کی دعوت دی اور کہا کہ آپ یہ کلمہ کہہ دیجیے، میں اس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ سے آپ کی مغفرت کے لیے سفارش کروں گا۔ یہ اصرار اس بات کا غماز ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دل کی گہرائیوں سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے چچا جہنم میں جانے سے بچ جائیں۔ دوسرا پہلو آپ کے داعیانہ کردار کا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو بڑی محبت سے دعوت دی۔ چچا اس دعوت کی حقانیت سے آگاہ ہیں، لیکن برادری کے کچھ لوگوں کے دباؤ کے باعث وہ ایمان قبول نہیں کر پاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال کی قباحت کو دیکھ کر کمال حوصلے کا ثبوت دیتے ہیں۔ برادری کے لوگوں کو کچھ نہیں کہتے اور چچا سے غایت درجہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، الاّ یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے روک دیں۔ آج کا داعی اگر اس طرح کی صورت

حال کا سامنا کرتا تو مجلس کے لوگوں کو برا بھلا کہتا ہوا اٹھ آتا اور چچا کو نفرین بھیجتا۔ اس واقعے میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے دو سبق ہیں: ایک یہ کہ انھیں کس طرح اپنے خاندان کا خیر خواہ ہونا چاہیے اور دوسرے یہ کہ یہ خیر خواہی خواہ بات بے سبب ہی رد کر دی گئی ہو کس طرح قائم رہنی چاہیے اور کسی طرح بھی اشتعال میں نہیں آنا چاہیے۔

دوسری بات حق و باطل کی کشمکش سے متعلق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں واضح حق کے ساتھ کھڑے تھے اور اہل مکہ کو اس حق کو قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات آدمی پر حق واضح ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے خاندان، اپنے آبا اور اپنی انا کی حد کو پھلانگنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ چنانچہ حق سے محروم رہ جاتا ہے۔ استاد محترم نے اس روایت کا درس دیتے ہوئے بیان کیا کہ ابوطالب اسی کشمکش سے دوچار تھے۔ ممکن تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل پزیر دعوت اس موقع پر موثر ہو جاتی، لیکن خاندان کے لوگوں نے خاندانی تعصب اور انا کو جگایا اور ابوطالب کو ایمان کی نعمت میسر نہ آسکی۔

تیسری بات ایمان کے نافع ہونے سے متعلق ہے۔ شارحین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ فرعون جب غرق ہو رہا تھا تو اس نے ایمان قبول کرنے کی بات کہی تھی، لیکن اس کا یہ ایمان رد کر دیا گیا تھا۔ کیا ابوطالب کی صورت حال بھی یہی نہیں ہے۔ وہ موت کے کنارے پہنچے ہوئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں اور یہ امید دلا رہے ہیں کہ وہ اگر ایمان قبول کر لیں گے تو وہ ان کے ایمان قبول کرنے کی شہادت دیں گے۔ شارحین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ایمان قبول کرنے کا موقع اس وقت تک ہے جب تک مرنے والا حقائق کو دیکھ نہ لے۔ انھوں نے اپنی بات کو مکالمے سے موکد کیا ہے۔ یعنی جب ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل خاندان کی بات سنی اور اپنے شعور کے ساتھ اس کا جواب بھی دیا تو اس سے واضح ہے کہ وہ مرض الموت میں تو تھے، لیکن ابھی انھیں مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔ ہمارے خیال میں دونوں معاملات میں فرق دوسرا ہے۔ فرعون اس عذاب سے دوچار تھا جس عذاب سے رسول کی مخاطب قومیں دوچار ہوتی ہیں۔ یہ عذاب ایک وعدے کی صورت میں پورا ہوتا ہے اور جب یہ عذاب آتا ہے تو حقیقت بالکل عریاں ہو جاتی ہے۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، مکہ میں جب یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس مرحلے میں داخل نہیں ہوئی تھی جب سزا نافذ کر دی جاتی ہے اور لوگوں سے حق قبول کرنے کا موقع چھن جاتا ہے۔

چوتھی بات دو آیات کے شان نزول سے متعلق ہے۔ استاد محترم نے اپنے درس میں واضح کیا کہ دعاے مغفرت سے روکنے والی آیت سورۂ توبہ کی ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ یہ سورہ اس واقعے کے بہت بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزول تک دعا کرتے رہے ہوں اور اس کے نزول کے بعد دعا کرنے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے رک گئے ہوں اور آپ نے اس کا تذکرہ بھی صحابہ سے کیا ہو، لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ دوسری آیت سورۂ قصص کی ہے۔ اس کے سیاق وسباق کی رو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ حق کے قبول کرنے کی نعمت اسے حاصل ہوتی ہے جو حق کو دلائل کی بنیاد پر قبول کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر کسی کو ایمان کی نعمت کی سرفرازی حاصل نہیں ہوگی۔ یہ ایک اصولی بات ہے اور اسے کسی ایک واقعے سے متعلق قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ استاد محترم کی رائے کے مطابق ان دونوں آیات کے نزول کی وجہ یہ واقعہ نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی معنوی مناسبت کی وجہ سے کسی راوی نے انھیں اس واقعے سے جوڑ دیا ہے۔ صاحب فتح الملہم نے ایک روایت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے حوالے سے نازل ہوئی تھی۔ اوپر کی تفصیل سے واضح ہے کہ یہ بیان بھی نا قابل قبول ہے۔

اس روایت کے حوالے سے ایک ضمنی بحث ان روایات سے پیدا ہوئی ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ بالآخر ابوطالب نے کلمۂ توحید پڑھ لیا تھا۔ صاحب فتح الملہم نے اس پر جرح کرتے ہوئے رائے دی ہے کہ قوی روایات وہی ہیں جن میں ایمان قبول نہ کرنے کا ذکر ہوا ہے۔

فتح الملہم میں واحدی کے حوالے سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس موقع پر وہاں جانے کی وجہ کیا ہوئی تھی۔ ابوطالب جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور انھوں نے اپنے لوگوں سے اپنی تکلیف کا ذکر کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اپنے بھتیجے کو بلا بھیجو۔ وہ ایک جنت کا ذکر کرتا ہے وہ اپنی اس جنت سے تمھارے لیے کچھ بھیج دے جو تمھارے لیے شفا ہو۔ یہ پیغام بھیج دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اس جنت کا طعام اور مشروبات اہل کفر کے لیے حرام ہیں۔ پھر آپ خود تشریف لائے اور یہ ساری بات ہوئی۔

متون

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس روایت کے تمام اہم متون نقل کر دیے ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کچھ متون میں واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے، کچھ میں محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ پڑھنے کی دعوت دینے اور ابوطالب کے انکار کو بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ باقی فرق لفظی ہیں۔ مثلاً 'لما حضرت الوفاۃ' والے جملے میں فاعل، فعل اور متعلقات کی ترتیب کی تمام صورتیں روایت ہوگئی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل وغیرہ کے اصرار کو بھی مختلف

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.org

اسالیب میں بیان کیا گیا ہے۔ کہیں ’فسکت فأعادھا‘ اور کسی میں ’فلم یزالا یکلمانه‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن زیادہ مرویات مسلم رحمہ اللہ کے متن کے مطابق ہیں۔ اسی طرح ’أشهد‘ کے بجائے ’أحاج‘ اور ’أشفع‘ کا فعل بھی آیا ہے۔

مستدرک حاکم میں باقی واقعہ تو اسی طرح ہے، لیکن ابو طالب کی تعریف کے کچھ جملے بڑھائے گئے ہیں۔ اس روایت کے مطابق حضور نے کلمے کی طرف بلانے سے پہلے کہا تھا:

یا عم إنك أعظمهم علی حقا و أحسنهم عندی یدا و لأنت أعظم حقا علی من والدی فقل كلمة تجب لك علی بها الشفاعة یوم القیامة قل لا إله إلا الله. (رقم ۳۲۹۱)

’’اے چچا، آپ مجھ پر حق میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ دست شفقت (رکھنے میں) میرے نزدیک ان سب سے اچھے ہیں۔ میرے اوپر قائم حق میں آپ میرے والد سے بڑھ کر ہیں۔ آپ ایک کلمہ پڑھ دیجیے جو آپ کے لیے قیامت کے دن میرے اوپر شفاعت واجب کر دے گا۔ آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجیے۔‘‘

ابن حبان میں اسی طرح کے ایک اور واقعے کا بیان ملتا ہے:

عن ابن عباس قال مرض أبو طالب فأتته قریش و أتاه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یعوده وعند رأسه مقعد رجل. فقام أبو جهل. فقعد فیه. فشكوا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إلی أبی طالب. فقالوا: إن بن أخیك یقع فی آلهتنا. قال: ما شأن قومك یشكونك یا بن أخی. قال: یا عم إنما أردتهم علی كلمة واحدة تدین لهم بها العرب وتؤدی إلیهم بها العجم الجزیة. قال: وما هی؟ قال: لا إله إلا اللّٰه. فقالوا: أجعل الآلهة إلها واحدا. قال: ونزلت: ص. والقرآن

’’حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ابو طالب بیمار ہوئے تو قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے آئے۔ ان کے سر کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ابو جہل اٹھا اور اس جگہ پر بیٹھ گیا۔ قریش نے ابو طالب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی۔ انھوں نے کہا: یہ تمھارا بھائی جایا ہمارے معبودوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ ابو طالب نے کہا: بھائی کے بیٹے تیری قوم کو کیا ہوا کہ تیری شکایت کرتی ہے۔ آپ نے کہا: چچا جان، میں تو انھیں ایک کلمے پر لانا چاہتا ہوں جسے یہ اختیار کر لیں تو عرب ان کی اطاعت کریں گے اور عجم انھیں جزیہ دیں گے۔ پوچھا: وہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ۔ انھوں نے سوال کیا: کیا اس نے سب معبودوں کو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ذی الذکر. إلی قوله إن هذا لشیء عجاب. (رقم ۲۶۸۶)

ایک کر دیا: چنانچہ سورۂ ص کی 'لشیء عجاب' تک آیات نازل ہوئیں۔''

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن حبان میں منقول یہ واقعہ مرض الموت سے متعلق نہیں ہے۔

کتابیات

بخاری، رقم ۱۲۹۴، ۳۶۷۱، ۴۳۹۸، ۴۴۹۴، ۶۳۰۳۔ مسلم، رقم ۲۴، ۲۵۔ ترمذی، رقم ۳۱۸۸۔ ابن ماجہ، رقم ۲۰۹۷۔ المستدرک، رقم ۳۲۹۱۔ نسائی، رقم ۲۰۳۵۔ ابن حبان، رقم ۹۸۲، ۲۶۷۰، ۶۶۸۶، ۶۲۷۰۔ احمد، رقم ۱۵۹۰، ۲۰۰۸، ۹۶۰۸، ۹۶۸۵، ۲۳۷۲۴۔ سنن کبریٰ، رقم ۲۱۶۲، ۱۱۲۳۰، ۱۱۳۸۳، ۱۱۳۸۴، ۱۱۴۳۶۔ ابویعلیٰ، رقم ۶۱۷۸۔ معجم کبیر، رقم ۸۲۰۔ الآحاد والمثانی، رقم ۲۷۰۔ اسحاق بن راہویہ، رقم ۲۰۸۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ساجد حمید

جمعہ کے وقت کا باب

[۱۳] حدثنی یحیی عن مالك عن عمه ابی سهیل بن مالك عن ابیه انه قال:

كُنْتُ اَرَی طِنْفَسَةً لِعَقِيلِ بْنِ اَبِی طَالِبٍ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ تُطْرَحُ اِلٰی جِدَارِ الْمَسْجِدِ الْغَرْبِیُّ فَاِذَا غَشِیَ الطِّنْفَسَةَ كُلَّهَا ظِلُّ الْجِدَارِ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَصَلَّی الْجُمُعَةَ.

قَالَ مَالِكٌ (وَالِدُ اَبِی سُهَيْلٍ): ثُمَّ نَرْجِعُ بَعْدَ صَلَاةِ الْجُمُعَةِ فَنَقِيلُ قَائِلَةَ الضَّحَاءِ.

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

امام مالک کے چچا سہیل بن مالک اپنے والد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ

”میں دیکھتا تھا کہ عقیل بن ابی طالب کے پاس ایک بوریا تھا، جسے جمعہ کے دن مسجد کی مغربی دیوار کے ساتھ بچھا دیا جاتا، جب مسجد کا سایہ اس پورے بوریا کو ڈھانپ لیتا، تو عمر بن خطاب نکلتے اور جمعہ پڑھاتے۔

ابو سہیل کے والد مالک بن ابی عامر کہتے ہیں، پھر ہم نماز جمعہ کے بعد نکلتے تو ہم چاشت کے وقت

والا قیلولہ (جو رہ گیا تھا وہ اس وقت) کرتے۔''

شرح

مفہوم و مدعا

یہ روایت یہ بتا رہی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن زوال کے بعد اتنا انتظار کرتے تھے کہ ایک بوریا پوری طرح دیوار کے سائے میں آ جاتا تھا۔ اس روایت کے الفاظ سے بھی بات پوری طرح واضح ہے اور دوسری روایتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ زوال کے بعد پڑھا جاتا تھا۔ لیکن اس روایت میں زبان کے چند مسئلے ایسے ہیں، جن کی وجہ سے بعض لوگوں نے زوال سے پہلے بھی جمعہ ادا کرنا جائز قرار دیا ہے، لیکن جمہور کی رائے میں جمعہ کا وقت زوال کے بعد ہی ہے۔

بوریا کے بچھائے جانے کا مقصد وقت کا تعین نہیں تھا، نہ حضرت عمر اسے اس مقصد سے بچھواتے تھے۔ یہ تو عقیل بن ابی طالب اپنی ضرورت کے لیے بچھاتے تھے۔ حضرت عمر اپنے اندازے کے مطابق گھر سے نکلتے تھے۔ وہ اس بوریا کو دیکھ کر نہیں نکلتے تھے۔ یہ سہیل کے والد مالک کا مشاہدہ ہے۔ جس سے بس اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک بوریے جتنا سایہ بڑھ جانے کے بعد حضرت عمر جمعہ کے لیے نکلتے تھے۔ حضرت عمر کا اس بوریے سے کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں ہے۔

یہ بوریا وہ نماز پڑھنے کے لیے بچھاتے تھے، اس لیے یہ بس ان کی اپنی ضرورت کے مطابق ہی ہوگا۔ اس لیے معلوم یہی ہوتا ہے کہ اس کی چوڑائی لمبائی زیادہ سے زیادہ ہمارے عام جائے نماز جتنی ہی ہوگی۔ اور چونکہ مسجد نبوی کا قبلہ جنوب مشرق میں، بلکہ اصلاً مشرق کی طرف تھا، اس اعتبار سے جب یہ بوریا بچھایا جاتا ہوگا تو یقیناً اس کا طول دیوار کے ساتھ ساتھ لگا ہوگا اور عرض پر سایہ آہستہ آہستہ پھیلتا ہوگا۔ ایک آدمی کے بیٹھنے کے لیے ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ چوڑا کپڑا ہی کافی ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک اندازہ سا لگایا جا سکتا ہے کہ مسجد نبوی کی اس دیوار کے دو ڈھائی فٹ سایہ ہونے پر نماز پڑھ لی جاتی تھی۔

جدار المسجد الغربی، الغربی جدار کی صفت ہے نہ کہ مسجد کی۔

اس جملے میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مغربی دیوار کے مغرب میں بوریا بچھایا جاتا تھا یا مشرق میں۔ اگر مغرب میں بچھایا جاتا تھا، تو پھر یہ بات زوال سے پہلے کی ہو رہی ہے اور اگر وہ مشرق میں بچھایا جاتا تھا تو پھر بات زوال کے بعد کی ہو رہی ہے۔

روایت کے اگلے حصہ میں دو قرینے ہیں، جو اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں، لیکن دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ یعنی 'الضحاء' کا لفظ قرینہ پیدا کر رہا ہے کہ ابھی زوال سے پہلے ہی کا وقت تھا۔ اور بوریا پر سایہ کے چھانے کے الفاظ اس بات کا قرینہ پیدا کر رہے ہیں کہ بوریا دیوار کی مشرقی جانب بچھایا جاتا تھا۔

لیکن 'ضحا' کا لفظ اپنے معنی میں حتمی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس سے کنایۃً مراد ظہر کا اول وقت بھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ بوریا پر سایہ چھانے کے الفاظ حتمی ہیں۔ اس لیے کہ اگر بوریا مغربی دیوار کی مغربی سمت میں بچھا ہوتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ ''جب مسجد کا سایہ اس پورے بوریا کو ڈھانپ لیتا'' بلکہ یہ کہا جاتا کہ جب سایہ صرف بوریے پر رہ جاتا۔ اس لیے کہ سورج کے طلوع ہوتے وقت دیواروں کے مشرقی جانب سایے سب سے لمبے ہوتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ کم ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا ہی صحیح ہوتا کہ جب سایہ کم ہو کر صرف بوریے پر رہ جاتا تو جمعہ کے لیے حضرت عمر نکلتے۔ بوریے اور سایے کے مغربی دیوار کے مشرق میں ہونے پر مزید گفتگو رجال متن کے تحت ہوگی۔

نقیل قائلة الضحاء، اس کی وضاحت میں علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

قال البونی بفتح الضاد و المد وهو اشتداد النهار مذكر، فأما بالضم و القصر فعند طلوع الشمس مؤنث، ای انهم يقيلون فی غير الجمعة قبل الصلوة وقت القائلة و يوم الجمعة يشتغلون بالغسل و غيره عن ذلك فيقيلون بعد صلاتها القائلة التی يقيلون فی غير يومها قبل الصلوة، وقال فی الاستذكار ای انهم يستدركون ما فاتهم من النوم

''بونی نے کہا ہے کہ 'الضحاء' مد اور 'ض' کے زبر کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی روشن و تاباں دن کے ہیں۔ یہ مذکر ہے۔ اور جو 'الضحی' 'الف مقصورہ اور 'ض' کی پیش کے ساتھ ہوتا ہے، اس کے معنی طلوع آفتاب کے بعد کا وقت کے ہیں، اور یہ ضحیٰ مونث ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ جمعہ کے دن اپنے معمول کے مطابق نماز سے پہلے قیلولہ نہیں کرتے تھے۔ جمعہ کے دن غسل وغیرہ میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ قیلولہ جو وہ باقی دنوں میں ظہر سے پہلے کرتے تھے، جمعہ کے بعد کرتے۔ 'استذکار' میں انھوں نے کہا ہے کہ (مراد یہ ہے کہ) اپنے معمول کی نیند جو وہ پوری نہ کر

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

علی ماجرت به عادتھم . سکے تھے،اس کا تدارک کرتے۔‘‘

نقیل قائلة الضحاء کی تالیف دراصل یہ ہے کہ ’قائلة ‘ مصدر ہے اور مصدر مفعول مطلق للنوعیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس سے بالعموم یہی سمجھا گیا ہے کہ ہم چاشت میں قیلولہ کرنے جیسا قیلولہ کرتے ۔لیکن اسے محض مفعول بہ لینے میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے۔یعنی پھر ہم وہ قیلولہ جو چاشت میں کرتے ،وہ جمعہ کے بعد کیا کرتے تھے۔اس تاویل کے بعد ’ضحی ‘ اور ’الضحاء ‘ کے اس فرق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اس لیے کہ لغت عامہ میں یہ دونوں لفظ چاشت ہی کے لیے بولے جاتے ہیں۔کسی بعید معنی میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

درایت

قرآن وسنت سے تعلق

جمعہ کا وقت سنت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہر کی جگہ پڑھی جانے والی نماز ہے۔اسی لیے جس دن جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اس دن ظہر کی نماز نہیں ہوتی۔اس سنت کی روشنی میں یہی بات درست ہے کہ اس کا وقت بھی زوال سے لے کر عصر تک کا وقت ہو۔لیکن چونکہ یہ نظم اجتماعی کے تحت ادا کی جانے والی نماز ہے، اس لیے اس میں شرکت کے لیے لوگ دور دور سے آتے تھے، اس لیے اس کو وسط نہار میں ٹھیک زوال کے تھوڑی دیر بعد ادا کیا جاتا تھا تاکہ لوگ صبح اس کی تیاری کر کے زوال پر مسجد میں پہنچ جائیں اور پھر اطمینان سے اپنے گھروں میں پہنچ سکیں۔تاکہ قرب وجوار کی بستیوں اور دیہاتوں سے آنے والوں کے لیے عصر کی نماز کا مسئلہ نہ ہو۔اگر جمعہ تاخیر سے ادا کیا جاتا تو یقیناً واپس جانے والوں کی عصر کے قضا یا اس میں تاخیر کا اندیشہ ہوتا۔

اب چونکہ جمعہ ہر محلے کی مسجد میں ادا کر لیا جاتا ہے، اس لیے اس مسئلے کو سمجھنا ذرا مشکل ہے۔

احادیث باب پر نظر

یہ بات بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتی ہے کہ گرمیوں میں ظہر میں تاخیر کی وجہ سے صحابہ اس سے پہلے کھانا کھا لیتے اور قیلولہ بھی کر لیتے تھے۔یہاں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے کہ وہ قیلولہ جو صحابہ عام دنوں میں ظہر سے پہلے کرتے تھے، وہ قیلولہ جمعہ کے دن وہ نماز کے بعد کرتے تھے۔اس لیے کہ جمعہ کی تیاری اور ظہر سے ذرا پہلے ادا کرنے

کی وجہ سے پہلے قیلولہ ممکن نہ ہوتا تھا۔ مثلاً بخاری کی روایت ہے:

عن انس قال کنا نبکر بالجمعة و نقیل بعد الجمعة . (بخاری، رقم ۸۶۳)

''انس کہتے ہیں کہ ہم جمعہ جلدی ادا کر لیتے تھے اور قیلولہ جمعہ کے بعد کرتے تھے۔''

لیکن اس جلدی ادا کرنے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ جمعہ زوال سے پہلے ادا کیا جاتا تھا۔ دوسری بہت سی روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ آپ جمعہ زوال کے بعد ہی ادا کرتے تھے۔ مثلاً بخاری کی روایت ہے:

عن انس بن مالك رضی اللّٰہ عنه :ان النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس .(بخاری، رقم ۸۶۲)

''انس بن مالک کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے مائل ہونے پر جمعہ پڑھاتے۔''

اس روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ جمعہ زوال سے پہلے نہیں، بلکہ بعد میں پڑھا جاتا تھا۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ میں ظہر کی طرح گرمیوں میں تاخیر نہیں کی جاتی تھی، بلکہ زوال کے فوراً بعد پڑھ لیا جاتا تھا۔ اس کی وجوہات ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے اور پھر سایے اتنے نہ ہوتے تھے کہ ان کے سایے میں گھروں کو لوٹ جائیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قال سلمة بن الاکوع :کنا نجمع مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم اذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفیء.(مسلم، رقم ۸۶۰)

''سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے، جب سورج کو زوال ہوتا، پھر ہم سایے ڈھونڈتے ڈھونڈتے گھروں کو جاتے۔''

یہی بات اس روایت سے بھی معلوم ہوتی ہے:

قال سلمة بن الاکوع: کنا نصلی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم الجمعة فنرجع و ما نجد للحیطان فیأ نستظل به.(مسلم، رقم ۸۶۰)

''سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے اور پھر جب ہم لوٹتے تو دیواروں کے سایے اتنے نہ ہوتے کہ ہم ان کی چھاؤں پاتے۔''

بخاری میں ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا روایات کے برخلاف جمعہ میں بھی ظہر کی طرح گرمیوں میں دیر کی جاتی تھی:

عن انس بن مالك قال:کان النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم اذا اشتد البرد بکر بالصلاة و اذا

اشتد الحر ابرد بالصلاة يعني الجمعة قال يونس بن بكير اخبرنا ابو خلدة فقال بالصلاة ولم يذكر الجمعة. (بخاری، رقم ۸۶۴)

''انس بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سردی شدید ہوتی تو نماز جلدی کراتے اور جب گرمی زیادہ ہوتی تو نماز کو مؤخر کر کے، ٹھنڈا کر کے، پڑھتے۔ نماز سے مراد جمعہ ہے۔ یونس کہتے ہیں کہ خلدہ نے بھی الصلوٰۃ کہا ہے، لیکن انھوں نے جمعہ کا ذکر نہیں کیا۔''

اس روایت کے پہلے حصے میں 'الصلوٰۃ' کہا گیا ہے، جس کی وضاحت ''نماز سے مراد جمعہ ہے'' کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس روایت کے اگلے حصے میں اس کی تردید بھی موجود ہے۔ اس لیے یہ روایت اس بات میں قابل احتجاج نہیں ہے کہ جمعہ میں بھی ظہر کی طرح شدت موسم کی بنا پر تاخیر وتقدیم کی جاتی تھی۔

جن علما نے اسے زوال سے پہلے ادا کرنے کا کہا ہے، ان کے دلائل دو طرح کی روایتوں سے ہیں۔ ایک وہ اثر ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما زوال آفتاب سے پہلے ہی جمعہ پڑھ لیتے، اور دوسرے وہ حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو عید کہا ہے۔ حنابلہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہ عید ہے تو پھر عید کے وقت پر ہی نماز پڑھنی چاہیے۔ (فتح الباری ۲: ۳۸۷)

ہمارے خیال میں یہ بات کہ جمعہ زوال سے پہلے پڑھا جائے، درج ذیل امور کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے:

۱۔ جاری سنت کے خلاف ہے۔

۲۔ اگر یہ عید کی نماز ہے تو پھر جمعہ کے دن بھی عید کی طرح ظہر ادا ہونی چاہیے۔

۳۔ جمعہ کو عید کہنے کا مطلب اس میں عید جیسے اجتماع عام کی طرف اشارہ ہے، نہ کہ اس کی نماز اس کے احکام کے پہلو سے۔ ایسا اجتماع پانچ نمازوں میں نہیں ہوتا۔

۴۔ رہا یہ مسئلہ کہ ابوبکر وعمر نے جمعہ زوال سے پہلے پڑھایا تھا تو یہ وقت کے تعین کی غلطی ہے۔ جو راوی کو لگی ہے۔ سردیوں میں بالخصوص ظہر کا وقت ایک تو جلدی آنے کی وجہ سے، دوسرے مطلع میں نکھار اور عدم وضوح کی وجہ سے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ابھی شاید زوال نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ظہر کے بارے میں بھی ایک روایت ملتی ہے جس میں صحابی کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں پتا چلتا تھا کہ وقت کتنا گزر گیا ہے اور کتنا باقی ہے۔

عن انس بن مالك قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي صلاة الظهر ايام الشتاء وما ندري ما ذهب من النهار اكثر او ما بقي منه. (مسند احمد، رقم ۱۲۶۵۵)

''انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھاتے تو ہم نہیں جان پاتے تھے کہ کتنا دن گزر گیا جو گزر گیا وہ

زیادہ ہے یا جو باقی رہ گیا ہے۔''

یہ مسائل اس دور کے ہیں، اس لیے یہ ممکن ہے کہ ایسے دنوں ہی کی وہ جمعہ کی نمازیں ہوں جن کے بارے میں یہ بیان ہوا ہے کہ وہ زوال سے پہلے پڑھی گئیں۔

روایت

امام مالک نے جمعہ کے وقت کے لیے سیدنا عمر کے عمل سے استشہاد کیا ہے۔ یہ استشہاد نہایت قوی ہے، اس لیے کہ

۱۔ یہ خلفاے راشدین کے زمانے کا عمل ہے۔

۲۔ فعل جاری ہونے کی وجہ سے یہ کہنا ناممکن ہے کہ اس سے پہلے عمل کوئی اور تھا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تبدیل کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے بارے میں ویسے ہی ریکارڈ محفوظ ہوتا جیسا کہ تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنے کا ریکارڈ موجود ہے۔ اگلی روایت میں چل کر ہم دیکھیں گے کہ امام مالک کا اپنا مسلک بھی یہی ہے کہ جمعہ زوال کے بعد دوپہر میں پڑھا جاتا ہے، نہ کہ چاشت کے وقت۔ یعنی اہل مدینہ کا اصلاً عمل اور مسلک یہی ہے کہ جمعہ ظہر ہی کے وقت میں پڑھا جاتا ہے، البتہ ظہر میں ابراد کے حکم کا اطلاق جمعہ پر نہیں کیا جاتا تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رجال سند

یہ روایت امام مالک نے اپنے چچا سہیل سے اور انھوں نے اپنے والد یعنی امام مالک کے دادا مالک بن ابی عامر سے کی ہے۔ اس لیے یہ روایت ایک طرح سے اہل مدینہ کے ایک گھرانے کا مشاہدہ ہے۔

رجال متن

اس روایت میں عقیل بن ابی طالب کے بوریا کا ذکر ہے۔ یہ حضرت علی کے بھائی اور ابو طالب کے صاحب زادے ہیں۔ یہ بزرگ ترین صحابہ میں سے تھے۔ یہ چونکہ بزرگ تھے، اس لیے ننگی زمین پر ان کا بیٹھنا مشکل ہوتا ہوگا۔ اس لیے یہ اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بوریا بچھا لیتے تھے جس سے فرش کی سختی جاتی رہتی۔

مسجد نبوی کا قبلہ جنوب مشرق میں (جنوب کی طرف زیادہ اور مشرق کی طرف کم) ہے۔ چنانچہ مغربی دیوار کی

مشرقی سمت ہی مسجد کے صحن میں ہوگی۔ اس لیے زوال کے بعد مسجد نبوی کی دیوار کے مشرق میں سایہ ہوگا، دھوپ سے بچنے کے لیے جس کے سایے میں نمازی بیٹھنا پسند کرتے ہوں گے۔ بزرگ ہونے کی وجہ سے حضرت عقیل اس دیوار کے سائے میں نماز سے پہلے ہی اپنا بوریا بچھا دیتے ہوں گے کہ ان کی یہ جگہ محفوظ رہے اور جب جمعہ ہو تو وہ سایے میں نماز پڑھ سکیں۔

اس تفصیل سے بھی ہماری اس رائے کو تقویت ملتی ہے جو ہم نے بوریے کی سمت متعین کرتے ہوئے شروع میں بیان کی ہے کہ بوریا مغربی دیوار کی مشرقی سمت میں بچھتا تھا۔ اس روایت کی حکایت کرنے والے کا یہ مشاہدہ حضرت عقیل کے اس مستقل عمل سے ہوا۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

اخلاقیات

(۷)

گزشتہ سے پیوستہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اللہ کی راہ میں انفاق

تیسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں انفاق کیا جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں انسان کو بخشی ہیں، وہ جس طرح انھیں اپنی ذات پر خرچ کرتا ہے، اسی طرح اپنی ذاتی اور کاروباری ضرورتیں پوری کر لینے کے بعد انھیں دوسرے ابنائے نوع پر بھی خرچ کرے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا بندہ بن کر رہنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے: ایک یہ کہ خالق کے ساتھ انسان کا تعلق ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مخلوق کے ساتھ وہ صحیح طریقے پر جڑ جائے۔ پہلی چیز نماز سے حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا اولین مظہر ہے، اور دوسری انفاق سے جو اس کی مخلوق کے ساتھ محبت کا اولین مظہر ہے۔ پھر اس کا صلہ بھی خدا کی محبت ہی ہے۔ اس لیے کہ انسان جو کچھ خرچ کرتا ہے، اسے درحقیقت آسمان پر جمع کرتا ہے اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں، اس کا دل بھی اس کے نتیجے میں وہیں لگا رہتا ہے[۵۲]۔ قرآن نے جگہ جگہ نہایت موثر اسالیب میں اس کی ترغیب دی ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ ”اور ہم نے جو روزی تمھیں دی ہے، اس میں سے خرچ

۵۲؎ متی ۶: ۱۹۔ ۲۱۔

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ، فَيَقُوْلَ: رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ، فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ. (المنافقون ۶۳:۱۰)

کرو، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ کہے کہ پروردگار، تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی کہ میں خیرات کرتا اور (اِس کے نتیجے میں) تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جاتا۔“

یہ انفاق اعزہ واقربا اور یتامیٰ ومساکین کا حق ہے جسے ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآن کی زیر بحث آیتوں میں اس کے لیے یہی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی آدمی کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک غصب حقوق کا مجرم بنا سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن نے یہ بات ایک دوسری جگہ صاف واضح کر دی ہے کہ ان حقوق سے بے پروا ہو کر اگر کوئی شخص مال و دولت جمع کرتا ہے تو یہ کنز ہے اور اس کی سزا جہنم کی آگ ہے جس سے ہر بندۂ مومن کو اپنے پروردگار کی پناہ مانگنی چاہیے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ، وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ، فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ ، وَجُنُوْبُهُمْ، وَظُهُوْرُهُمْ، هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ، فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ. (التوبہ ۹: ۳۴۔۳۵)

”اور جو لوگ سونا اور چاندی ڈھیر کر رہے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں ایک دردناک عذاب کی خوش خبری دو، اُس دن جب اُن کے اس سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی۔ پھر اس سے اُن کی پیشانیوں، اُن کے پہلوؤں اور اُن کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا۔ تو اب چکھو اس کا مزہ جو تم جمع کرتے رہے ہو۔“

اس حکم کی یہی نوعیت ہے جس کے پیش نظر فرمایا ہے کہ جن لوگوں پر یہ حق عائد ہوتا ہے، ان کے حالات اگر کسی وقت ایسے ہوں کہ کسی حق دار کی مدد سے مجبوراً اعراض کرنا پڑے اور توقع ہو کہ مستقبل میں حالات بہتر ہو جائیں گے تو اس کی دل داری کی جائے اور آیندہ کے لیے اچھے وعدے کے ساتھ رخصت کر دیا جائے: 'واما تعرضن عنهم ابتغاء رحمة من ربك ترجوها ، فقل لهم قولا ميسوراً'۔

یہ انفاق علانیہ ہو یا چھپا کر کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس کا ایک ایک حصہ اس کے علم میں رہتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا صلہ بھی وہ اپنے وعدے کے مطابق لازماً دے گا:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ، فَاِنَّ

”اور جو خرچ بھی تم کرو گے یا جو نذر بھی تم مانو گے (اُس

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اللّٰهَ يَعْلَمُهُ، وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ، اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ، وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ، فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (البقرہ ۲: ۲۷۰۔۲۷۱)

کا صلہ لازماً پاؤ گے)، اس لیے کہ اللہ اُسے جانتا ہے اور (اللہ کی اس ہدایت سے منہ موڑ کر) اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کا (اللہ کے ہاں) کوئی مددگار نہ ہوگا۔ تم اپنی خیرات علانیہ دو تو یہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اُسے چھپاؤ اور غریبوں کو دے دو تو یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ (اِس سے) اللہ تمھارے گناہ مٹا دے گا اور (اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

چنانچہ فرمایا ہے کہ اس انفاق کو وہ اپنے ہاں برکت دیتا اور اپنے فضل وعنایت سے اس کی رائی کو پربت بنا دیتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، كَمَثَلِ حَبَّةٍ، اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ، فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ، وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. (البقرہ ۲: ۲۶۱)

''اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے اس عمل کی مثال اُس دانے کی ہے جس سے سات بالیں نکلیں، اس طرح کہ ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جس کے لیے چاہتا ہے، (اِسی طرح) بڑھا دیتا ہے۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ بڑی وسعت والا ہے، وہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

استاذ امام لکھتے ہیں:

''یہ اس بڑھوتری کی تمثیل ہے جو راہ خدا میں خرچ کیے ہوئے مال کے اجر وثواب میں ہوگی۔ فرمایا کہ جس طرح ایک دانے سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں، اسی طرح ایک نیکی کا صلہ سات سو گنے تک بندے کو آخرت میں ملے گا۔ اس مضمون کی وضاحت احادیث میں بھی ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا ہے کہ نیکیوں کا بدلہ دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملے گا۔ یہ فرق ظاہر ہے کہ عمل کی نوعیت، عمل کے زمانے اور عمل کرنے والے کے ظاہری و باطنی حالات پر مبنی ہوگا۔ اگر ایک نیکی مشکل حالات اور تنگ وسائل کے ساتھ کی گئی ہے تو اس کا اجر زیادہ ہوگا اور اگر ایک نیکی آسان حالات اور کشادہ وسائل کے ساتھ کی گئی ہے تو اس کا اجر کم ہوگا۔ پھر نیکی کرنے والے کے احساسات کا بھی اس پر اثر پڑے گا۔ ایک نیکی پوری خوش دلی اور پورے جوش وخروش کے ساتھ کی گئی ہے اور دوسری سرد مہری اور نیم دلی کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ دونوں کے اجر وثواب میں بھی فرق ہوگا۔ آیت میں اجر کی وہ شرح بیان ہوئی ہے جو سب سے اونچی ہے اور فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔'' یہ اس ضابطے کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی چاہنا بھی

عدل وحکمت کے خلاف نہیں ہوتا، اس وجہ سے یہ بڑھوتری انھی کے لیے وہ چاہتا ہے جو اس کے ٹھہرائے ہوئے ضابطے کے مطابق اس کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔'' (تدبرقرآن ۱/ ۶۱۳)

اس کی مزید وضاحت اس طرح کی ہے کہ انفاق اگر اللہ کی رضا جوئی اور اپنے نفس کی تربیت کے لیے کیا جائے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بہ جانے والی زمین پر باغ لگانے کے بجائے ایسی بلند، مسطح اور اچھی آب و ہوا کی زمین پر اپنا باغ لگائے کہ بارش ہو تو اس کی بارآوری کو دوگنا کر دے اور نہ ہو تو زمین اور آب و ہوا کی خوبی کے باعث ہلکی پھوار بھی کافی ہو جائے:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ، ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ، كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ، اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ، فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ. (البقرہ ۲: ۲۶۵)

''اور اللہ کی خوش نودی کے لیے اور اپنے آپ کو (حق پر) قائم رکھنے کی غرض سے اپنا مال خرچ کرنے والوں کی مثال اس باغ کی ہے جو بلند اور ہموار زمین پر واقع ہو۔ اس پر زور کی بارش ہو جائے تو دونا پھل لائے اور زور کی بارش نہ ہو تو پھوار بھی کافی ہو جائے۔ (یہ مثال سامنے رکھو) اور (مطمئن رہو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تاہم یہ صلہ اس انفاق کے لیے ہے جو انسان اپنے بہترین اور پاکیزہ مال میں سے کرے اور جس کے ساتھ احسان جتانے اور دل آزاری کرنے کا کوئی رویہ نہ ہو۔ آدمی جو چیز اپنے لیے پسند نہ کر سکے، اسے خدا کو پیش کرنا انتہائی دناءت کی بات ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے، وہ خدا ہی کا بخشا ہوا ہے۔ اس کو اسی کی راہ میں دیتے ہوئے اگر ہم پستی کا یہ رویہ اختیار کرتے ہیں تو اس سے خدا کی خوش نودی اور نفس کی تربیت تو کیا حاصل ہوگی، استاذ امام کے الفاظ میں الٹا اندیشہ ہے کہ دوری اور مہجوری کچھ اور بڑھ جائے گی۔ اسی طرح کسی کو دے کر اگر کوئی شخص احسان جتاتا اور اس کی دل آزاری کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے اسے مال تو دیا ہے، لیکن اس کے لحاظ سے ظرف نہیں دیا، اس لیے کہ نیکی اور خیر کی توفیق پا لینے کے بعد یہ رویہ انتہائی لئیم اور کم ظرف لوگ ہی اختیار کر سکتے ہیں جو غالباً سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اگر کسی پر خرچ کیا ہے تو اسے اب زندگی بھر اس کا ممنون احسان بن کر رہنا چاہیے۔ چنانچہ ان کی یہ خواہش جب پوری نہیں ہوتی تو وہ اسے طعنوں کا ہدف بنا کر ہر جگہ ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا، اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

''ایمان والو، اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو اور اس

كَسَبْتُمْ، وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ، وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ، مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ، وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ، وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ. (البقرہ۲:۲۶۷)

میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے۔ اور کوئی بری چیز تو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا خیال بھی نہ کرو۔ تم اس طرح کی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہو، لیکن خود آنکھیں موند نہ لو تو اسے لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور جان رکھو کہ (تمھاری اس خیرات سے) اللہ بے نیاز ہے، وہ ستودہ صفات ہے۔‘‘

اسی طرح فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى، لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ، وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى، وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى، كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ، وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ، عَلَيْهِ تُرَابٌ، فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا، لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ...اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ، وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ، فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ، فَاحْتَرَقَتْ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ.

(البقرہ۲:۲۶۲۔۲۶۶)

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر جو کچھ خرچ کیا ہے، اُس کے پیچھے نہ احسان جتاتے ہیں نہ دل آزاری کرتے ہیں، اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں اجر ہے اور انھیں (وہاں) کوئی اندیشہ ہو گا اور نہ وہ کوئی غم کبھی کھائیں گے۔ ایک اچھا بول اور (ناگواری کا موقع ہو تو) ذرا سی چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے ساتھ اذیت لگی ہو۔ اور (تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح کی خیرات سے) اللہ بے نیاز ہے۔ (اِس رویے پر وہ تمھیں محروم کر دیتا، لیکن اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ) وہ بڑا بردبار بھی ہے۔ ایمان والو، احسان جتا کر اور (دوسروں کی) دل آزاری کر کے اپنی خیرات کو اُن لوگوں کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور وہ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن کو مانتے ہیں۔ سو اُن کی مثال ایسی ہے کہ ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ پڑے اور اس کو بالکل چٹان کی چٹان چھوڑ جائے۔ (قیامت کے دن) اُن کی کمائی میں سے کچھ بھی اُن کے ہاتھ نہ آئے گا۔ اور (حقیقت یہ ہے کہ) اس طرح کے ناشکروں کو اللہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کبھی راہ یاب نہیں کرتا... کیا تم میں کوئی یہ پسند کرے گا
کہ اُس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس
کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ اس میں اس کے لیے ہر قسم کے
پھل ہوں اور وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کے بچے ابھی
ناتواں ہوں اور باغ پر سموم کا بگولا پھر جائے اور وہ جل کر
خاک ہو جائے۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں تمھارے لیے
واضح کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔''

استاذ امام امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''یہ تمثیل ایک ایسے شخص کی ہے جس نے انگور اور کھجوروں کا باغ لگایا۔ اس باغ کے نیچے نہر جاری تھی جو اس کی شادابی کی ضامن تھی۔ باغ میں دوسرے مختلف قسم کے پھل بھی تھے اور اس سے ہر قسم کی اجناس بھی حاصل ہوتی تھیں۔ باغ کا مالک بوڑھا ہو گیا اور اس کے بچے سب چھوٹے چھوٹے تھے۔ اسی دوران میں ایک روز سموم کا ایک بگولا اس باغ پر گزرا اور سارا باغ تباہ ہو کر رہ گیا۔ فرمایا کہ یہی حال آخرت میں ان لوگوں کا ہو گا جو اپنے انفاق کو برباد کرنے والی آفتوں سے نہیں بچاتے۔ ان کے خرمن کے لیے بجلی خود ان کی آستینوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور وہ ٹھیک اس وقت ظاہر ہو گی جب ان کے لیے کھو کر پھر پانے کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا۔'' (تدبر قرآن ۱/۶۱۹)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سورۂ بنی اسرائیل کی زیر بحث آیتوں میں یہ چیز بھی قرآن نے اس کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ اس انفاق کی توفیق انھی لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے اخراجات میں اعتدال کا رویہ اختیار کرتے اور اللہ تعالیٰ جو رزق انھیں عطا فرماتے ہیں، اس کو اپنی کسی تدبیر و حکمت کا نہیں، بلکہ اللہ کی عنایت کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دو باتیں مزید فرمائی ہیں: ایک یہ کہ مال کو اللے تللے اڑانا جائز نہیں ہے۔ یہ اللہ کی نعمت ہے اور اس کے بارے میں صحیح رویہ یہ ہے کہ آدمی اعتدال اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی جائز ضرورتوں پر خرچ کرے اور جو کچھ بچائے، اسے حق داروں کی امانت سمجھے اور اس امانت کو نہایت احتیاط کے ساتھ ادا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی ضرورتوں کے معاملے میں اعتدال اور توازن کا رویہ اختیار نہیں کرتا، اسے اپنے ہی شوق پورے کرنے سے فرصت نہیں ملتی کہ دوسروں کے حقوق ادا کر پائے۔ فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنا مال اس طرح اڑاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ وہ انھیں ورغلا کر اپنی راہ پر لگا لیتا ہے اور ان سے ان کاموں پر خرچ کراتا ہے جن سے وہ خدا کی خوش نودی حاصل کرنے کے بجائے اس کی ناراضی لے کر لوٹتے ہیں۔ اس معاملے میں صحیح نقطۂ اعتدال کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ آدمی نہ اپنے ہاتھ بالکل باندھ لے اور نہ بالکل کھلے ہی چھوڑ دے کہ ضرورت کے وقت درماندہ اور

ملامت زدہ ہو کر بیٹھا رہے، بلکہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرے اور ہمیشہ کچھ بچا کر رکھے تا کہ اپنے اور دوسروں کے حقوق بروقت ادا کر سکے: 'ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک، ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً'۔

دوسری یہ کہ رزق کی تنگی اور کشادگی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے تحت ہے۔ انسان کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ پوری محنت کے ساتھ اس کے اسباب پیدا کرے۔ جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے، وہ دوسروں پر خرچ کرنا تو الگ رہا، بارہا ایسے سنگ دل ہو جاتے ہیں کہ تنگ دستی کے اندیشے سے اپنی اولاد تک کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس میں خاص طور پر عرب جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی اس سنگ دلانہ رسم کی طرف اشارہ ہے جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ عورت چونکہ کوئی کماؤ فرد نہیں ہے، اس لیے اس کی پرورش کا بوجھ کیوں اٹھایا جائے۔ فرمایا ہے کہ انھیں قتل نہ کرو، ان کو بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی اور مطمئن رہو کہ اللہ اپنے بندوں کی ہر حالت پر نگران اور ان کا نگہبان ہے۔ وہ ان سے بے خبر نہیں ہے۔

یہی حقیقت ایک دوسری جگہ اس طرح بیان فرمائی ہے:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ، وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ، وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ. یُّؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ، وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ، فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا، وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (البقرہ ۲: ۲۶۸-۲۶۹)

''شیطان تمھیں تنگ دستی سے ڈراتا اور (خرچ کے لیے) بے حیائی کی راہ سجھاتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے تمھارے ساتھ مغفرت اور عنایت کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔ وہ (اپنے قانون کے مطابق) جس کو چاہتا ہے، (اس وعدے کا) فہم عطا کر دیتا ہے، اور جسے یہ فہم دیا گیا، اسے تو درحقیقت خیر کثیر کا ایک خزانہ دے دیا گیا۔ لیکن (اِس طرح کی باتوں سے) یاددہانی صرف دانش مند ہی حاصل کرتے ہیں۔''

(باقی)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مولانا زاہدالراشدی

اسلامی حدود اور بین الاقوامی قوانین

اسلامی نظریاتی کونسل نے گزشتہ دنوں اسلام آباد میں ''اسلامی فوج داری قوانین جدید گلوبلائزیشن کے تناظر میں'' کے موضوع پر تین روزہ بین الاقوامی ورک شاپ کا اہتمام کیا جس کے اختتام پر صحافیوں کو بریفنگ دیتے ہوئے کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر پروفیسر خالد مسعود نے بتایا کہ اسلامی قوانین کے بارے میں ملکی و بین الاقوامی افہام و تفہیم کے فروغ کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز پر اتفاق رائے سے ''بین الاقوامی مشاورتی نیٹ ورک'' کا قیام عمل میں آ چکا ہے اور بہت جلد کونسل کے ارکان مختلف اسلامی اور دیگر اہم ممالک کے دورے کر کے اس نیٹ ورک کو مزید مستحکم بنائیں گے۔ ڈاکٹر خالد مسعود نے اس پریس بریفنگ میں کہا کہ پاکستان میں ستائیس برس قبل حدود قوانین نافذ ہوئے تھے، مگر اس دوران میں ان کی حمایت و مخالفت میں مسلسل بات آگے بڑھتی رہی اور اب اس حوالے سے تین مختلف موقف سامنے ہیں۔ ایک موقف لبرل حلقوں اور حقوق نسواں کی تحریکوں کا ہے کہ ان حدود کے نفاذ کی سرے سے کوئی ضرورت نہیں۔ دوسرا موقف علماے کرام کی اکثریت اور معاشرہ کے روایت پسند حلقوں کا ہے کہ حدود قوانین پر بحث و مباحثہ ہی قابل برداشت نہیں ہے، جبکہ تیسرا موقف یہ ہے کہ حدود کا ماخذ قرآن و سنت ہی ہیں، مگر پاکستان میں ان کے نفاذ کے طریق کار اور حدود قوانین کی دفعہ وار جزئیات پر بحث و تمحیص اور رد و بدل کی گنجایش موجود ہے اور اس پر بات چیت ہو سکتی ہے۔ محترم ڈاکٹر خالد مسعود نے اپنا موقف بھی یہی بتایا ہے کہ حدود قوانین اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی نہیں ہیں اور ان میں ترامیم پر غور ہو سکتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی بیان کردہ حدود اور پاکستان میں ان کی بنیاد پر نافذ ہونے والے قوانین میں فرق کو ملحوظ رکھا جانا

چاہیے۔

سب سے پہلے تو ہم اسلامی نظریاتی کونسل کے اس کردار کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ اس نے اسلامی قوانین کے حوالے سے مختلف حلقوں میں پائے جانے والے اختلافات کے ماحول میں باہمی افہام وتفہیم کے لیے بحث ومباحثہ کا سلسلہ شروع کیا اور اس میں عالم اسلام اور بین الاقوامی دنیا کے اجتماعی تناظر کو سامنے رکھنے کی ضرورت بھی محسوس کی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اسے سیاسی گروہ بندی سے ہٹ کر خالصتاً علمی انداز میں آگے بڑھانا ضروری ہے۔

اس کے بعد ہم حدود آرڈیننس یا اسلام کے فوج داری قوانین کے بارے میں ایک اہم اعتراض کا اصولی طور پر جائزہ لینا چاہتے ہیں جن کی بنیاد پر ان قوانین کی عام طور پر مخالفت ہو رہی ہے اور ان کی منسوخی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ قوانین آج کے مروجہ بین الاقوامی قوانین سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور عالمگیریت کے جدید ماحول میں عالمی قوانین اور نظام سے مطابقت نہیں رکھتے۔

جہاں تک حدود قوانین کے آج کے مروجہ بین الاقوامی قانون کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہونے کا تعلق ہے، یہ امر واقعہ ہے کہ یہ ہم آہنگی اور مطابقت موجود نہیں ہے اور ہمارے خیال میں اس کی موجودگی نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی ممکن ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مروجہ بین الاقوامی قوانین اور اسلامی فوج داری قوانین کے ماخذ اور سرچشمے الگ الگ ہیں۔ اسلامی قوانین کا ماخذ وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات ہیں، کیونکہ فوج داری قوانین یا حدود کی جو عملی صورتیں اسلامی شریعت میں بیان کی جاتی ہیں، ان کی بنیاد تورات اور قرآن کریم کی تعلیمات پر ہے، جبکہ مروجہ بین الاقوامی قوانین کی بنیاد سوسائٹی کی اجتماعی عقل اور خواہش پر ہے اور ان کا فکری سرچشمہ وحی الٰہی سے بے زاری یا کم از کم لاتعلقی کا فلسفہ ہے۔ اس لیے ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششوں پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن اور قابل عمل بات نہیں ہے اور اسے ضروری قرار دے کر اسلامی حدود وقوانین کو مروجہ بین الاقوامی قانونی نظام کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوئی صورت اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک ہم خود بھی وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات سے خدانخواستہ دست بردار ہو کر اپنے قانون کے ماخذ کو تبدیل نہیں کر لیتے۔

ہمارے بعض دانش وروں کا یہ خیال ہے کہ اگر قانون کے نفاذ کا طریق کار تبدیل کر لیا جائے اور عدالتی نظام میں مغربی سسٹم کو اپنا کر اسلامی قوانین کی جزئیات میں کچھ ردوبدل کر لیا جائے تو بین الاقوامی قوانین اور اسلامی حدود کے درمیان مفاہمت اور ہم آہنگی کا ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے اور ایک عملی مثال سے ہم اس

کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا بیان کیا گیا ہے جو صریح حکم ہے۔ اس پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عمل کیا ہے اور اس سختی کے ساتھ عمل کیا ہے کہ ایک موقع پر اعلان فرما دیا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔ یہ سزا قرآن کریم کے علاوہ تورات اور دیگر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی موجود ہے، اس لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ چور کو جرم ثابت ہونے پر اسلام کی رو سے جو سزا ملے گی، وہ ہاتھ کاٹنے کی صورت میں ہی ہوگی، البتہ اس بات پر بحث وتمحیص کی گنجایش موجود ہے کہ چور کا اطلاق کس شخص پر ہوتا ہے اور کم از کم کتنی مالیت کی چوری پر یہ سزا نافذ ہوگی، چوری کے جرم کا ثبوت کیسے ہوگا اور اس کی دیگر تفصیلات کیا ہوں گی۔ ان سب امور پر گفتگو ہو سکتی ہے، فقہا نے ہر دور میں اس پر بات کی ہے اور ایک دوسرے سے اختلاف بھی کیا ہے، لیکن کسی بھی فارمولے کے مطابق چوری ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چور کا ہاتھ کٹے گا اور آج کے بین الاقوامی قانون یا مغرب کے فلسفۂ قانون کا اصل اعتراض ہاتھ کٹنے پر ہے، چور کی تعریف یا چوری کے ثبوت کے طریق کار پر نہیں ہے۔ یہ ہماری غلط فہمی ہے کہ چور کی تعریف بدل دینے یا چوری کے ثبوت کا طریق کار تبدیل کر دینے سے مغرب کا اعتراض ختم ہو جائے گا اور ہمارے قوانین بین الاقوامی قانونی نظام سے ہم آہنگ ہو جائیں گے۔ ایک لمحہ کے لیے آپ یہ تصور کر لیں کہ ہم نے عدالتی پروسیجر کو مکمل طور پر مغرب کے نظام قانون سے ہم آہنگ کر لیا ہے، چور کی تعریف بدل دی ہے، شہادت اور ثبوت کے تمام طریقے مغرب کے لے لیے ہیں، لیکن بین الاقوامی قانون کے تحت قرار پانے والے چور کو مغربی نظام اور عدالتوں کے طریق کار کے مطابق جرم ثابت ہونے کے بعد سزا وہی دے رہے ہیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہے، تو اس سے مغرب کا اعتراض ختم نہیں ہو جائے گا، اس لیے کہ اس کا اصل اعتراض چور کی تعریف یا چوری کے ثبوت کے طریق کار پر نہیں، بلکہ چور ثابت ہو جانے والے شخص کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دینے پر ہے اور یہ اعتراض اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ہم قرآن کریم کے موجودہ حکم سے دست بردار نہیں ہو جاتے یا اسے وہ معنی نہیں پہنا دیتے جو مغرب کے منشا کے مطابق ہیں، خواہ وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے فیصلوں، خلفاے راشدین کے طرز عمل اور امت کے چودہ سو سالہ اجماعی تعامل کی نفی کی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں۔

یا مثلاً زنا کے جرم پر سزا کا مسئلہ دیکھ لیجیے۔ ہمارے ہاں اسلامی قوانین کو آج کے ماحول میں قابل قبول صورت میں پیش کرنے کے لیے اس مسئلہ پر بحث ہوتی ہے کہ رجم شرعی حد ہے یا نہیں، شہادت میں عورت کا درجہ کیا ہے اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جرم کے ثبوت کا طریق کار کیا ہونا چاہیے۔ ہمارے بعض دانش وروں کا خیال ہے کہ رجم کو شرعی حد کے زمرہ سے خارج کر دیں گے یا عورت کی گواہی کو آج کے مروجہ عالمی معیار پر لے آئیں گے یا جرم کے ثبوت کے لیے مغرب کے عدالتی سسٹم کو اپنا لیں گے تو زنا کی قرآنی سزا پر مغرب کا اعتراض ختم ہو جائے گا۔ یہ خوش فہمی کی بات ہے، اس لیے کہ مغرب کا اصل اعتراض ان باتوں پر نہیں، بلکہ سرے سے زنا کے جرم قرار دیے جانے پر ہے، اس لیے کہ رضامندی کا زنا مغرب کے نزدیک سرے سے جرم ہی نہیں ہے۔ مغرب کے ہاں زنا میں صرف جبر کا پہلو جرم کے ذیل میں آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جرم کا تعلق زنا سے نہیں، صرف جبر سے ہے۔ اب اگر آپ ایک لمحہ کے لیے رجم کو حدود کی فہرست سے نکال دیتے ہیں اور جرم کے ثبوت کے لیے تمام طریق کار تبدیل کر لیتے ہیں، لیکن رضامندی کے ساتھ باہمی جنسی تعلق قائم کرنے والے غیر شادی شدہ جوڑے کو قرآن کریم کے حکم کے مطابق سو کوڑے مارتے ہیں تو مغرب کا اعتراض پھر بھی باقی رہے گا اور بین الاقوامی قوانین سے ہم آہنگ نہ ہونے کا سوال پھر بھی قائم رہے گا۔

ہمیں حدود آرڈیننس کی موجودہ ہیئت پر اصرار نہیں ہے۔ ہم قرآن کریم کی بیان کردہ حدود اور ان پر عمل درآمد کے لیے بنائے جانے والے قوانین کے درمیان فرق کو بخوبی سمجھتے ہیں اور انسانی ذہنوں کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط میں غلطی کے امکان اور ردوبدل کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں، مگر یہ بات بھی ہمارے پیش نظر ہے کہ اس سے مسئلہ حل نہیں ہوگا اور یہ ساری ورزش کرنے کے بعد بھی مغرب کے اعتراضات اور بین الاقوامی قوانین سے ہم آہنگ نہ ہونے کا مسئلہ جوں کا توں موجود رہے گا، اس لیے اس حوالے سے اصل ضرورت بنیادی سوچ میں تبدیلی لانے کی ہے۔ بین الاقوامی قوانین اور مغرب کے ساتھ افہام وتفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں، لیکن اس کے لیے اسلامی قوانین میں ردوبدل کر کے اسے مغرب کے قوانین کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی نہیں، بلکہ مغرب کو اس کے قانونی نظام کی خامیوں سے آگاہ کرنے اور بین الاقوامی قوانین کو وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی طرف واپس لانے کی محنت کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے خیال میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے تحت قائم ہونے والی ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کا اصل آئینی کردار یہی بنتا ہے۔

پروفیسرخورشید عالم

''محدث'' کی بارگاہ میں

ماہنامہ ''اشراق'' کے مئی کے شمارے میں ''عورت کی امامت'' کے عنوان سے میرا ایک مضمون چھپا ادارے نے اسے ''نقطۂ نظر'' کے گوشے میں شائع کیا۔جس کا مطلب واضح تھا کہ یہ صاحب مضمون کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ادارے کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں۔اس مضمون کے جواب میں ماہنامہ ''محدث'' نے جون ۲۰۰۵ کی اشاعت خاص میں سات مضمون شائع کیے۔اللہ تعالیٰ اس محنت پر ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔محمد رضی الاسلام ندوی کے مضمون کو چھوڑ کر باقی چھ مضامین کا انداز علمی اور تحقیقی کی بجائے مناظرانہ اور مجادلانہ ہے اور اس مناظرے میں بھی انھوں نے قرآن حکیم کی ہدایت 'و جادلهم بالتی هی أحسن '(۱۶:۱۲۵) کو پیش نظر نہیں رکھا، بلکہ میرے اور ادارے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جو اہل علم کے شایان شان نہیں۔میری ذات پر دجل وفریب اور ہوس نا کی کی جو صفات چسپاں کی گئی ہیں، ان کے جواب میں میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ 'فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی '، اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت، کون زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے، یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔بہر کیف مجھے اس بات کا کوئی دکھ نہیں۔دکھ اس بات کا ہے کہ میرے اس مضمون کی وجہ سے ''اشراق'' کے ادارے پر پھبتیاں کسی گئیں۔ ''فقیہان اشراق'' اور ''اشراقیہ فرقے'' کی طنزیہ ترکیبیں استعمال کی گئیں اور یہ سمجھا گیا کہ ''اشراق'' نے عورت کی امامت کا جواز نکالا ہے۔یہ سراسر بہتان ہے۔جو میں نے لکھا، وہ میرا اپنا نقطۂ نظر ہے، اس کا کوئی محرک نہیں۔مدیر ''اشراق'' جناب جاوید احمد غامدی سے میری جان پہچان کی عمر دو ماہ سے بھی کم ہے۔وہ بھی اس طرح کہ حوالوں کی تلاش میں ''المورد'' کی لائبریری میں، جو میرے گھر سے قریب تر ہے، جاتا تھا تو کبھی کبھار غامدی صاحب سے دعا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سلام ہو جاتی تھی اور بس۔ میں ان کو بالکل اسی طرح قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس طرح میں مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق کو دیکھتا تھا۔طالب علمی کے زمانہ میں کسب فیض کے لیے میں ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔وجہ اس کی یہ تھی کہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں میں حدیث کی جس کتاب کو کھولتا تھا۔اس پر مولانا کا مختصر سا نوٹ موجود ہوتا تھا۔محترم غامدی صاحب دور حاضر میں نعرہ بازی اور سیاست کے جھمیلوں سے الگ تھلگ تحقیق میں مصروف ہیں۔ ہر اتوار ان کا درس ہوتا ہے، میں کبھی بھی ان کے درس میں نہیں گیا۔ مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ میرے مضمون کی وجہ سے بعض مضمون نگاروں نے نازیبا الفاظ استعمال کیے اور اس سے بڑھ کر دکھ اس بات کا ہے کہ ''محدث'' کے ایک بڑے مضمون نگار نے مولانا امین احسن اصلاحی جیسے صاحب بصیرت اور عربی زبان و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھنے والے مفسر کی آرا کو مورد طعن بنایا حالانکہ زیر بحث موضوع میں اس کی قطعاً گنجایش نہ تھی۔ میں ان صاحب کو ذاتی طور پر جانتا ہوں اور ان کے مبلغ علم سے اچھی طرح واقف ہوں کیونکہ میں دھرم پورہ کی مسجد اہل حدیث میں جمعہ پڑھتا رہا ہوں۔ جہاں یہ صاحب امام اور خطیب تھے۔مولانا اصلاحی پر ان کی تنقید کے جواب میں متنبّی کا شعر پیش کرسکتا ہوں:

و اذا اتتك مذمتي من ناقص فهي الشهادة لي باني كامل

''جب آپ کے سامنے کوئی ناقص آدمی میری مذمت کرے تو یہ میرے کامل ہونے کی عین گواہی ہے۔ کیونکہ ناقص ہمیشہ کامل کو ناپسند کرتا ہے۔''

میں یہ بتاتا چلوں کہ میں کسی حلقۂ ارادت سے مربوط نہیں، کیونکہ میں جماعتی بندھن کو علم و تحقیق کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا ہوں۔ ہاں، خاندانی لحاظ سے میں اہل حدیث سے مربوط ہوں، کیونکہ میرے والد مرحوم مولانا نور عالم امرتسری امام عبدالجبار کے شاگردوں میں سے تھے۔ حدیث کے بارے میں مجھے جو تھوڑی بہت سدھ بدھ ہے، اس کا سرچشمہ بھی وہی ہیں۔ لیکن میں ہر مکتب فکر کے صاحبان علم و تحقیق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ زیر نظر مضمون میں نے لکھ کر قرآن کالج کے اسٹاف کے سامنے پڑھا۔ یہ کالج بانیِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی زیر نگرانی چل رہا ہے اور یہاں میں نے کم و بیش دس برس تک عربی زبان و ادب کی تدریس کے فرائض سرانجام دیے ہیں۔ پیرانہ سالی کی وجہ سے میں ۶ مئی ۲۰۰۵ کو اس کالج سے فارغ ہوا ہوں۔ زیر بحث مضمون کا ارباب ''اشراق'' سے دور کا بھی واسطہ نہیں، گالیاں اگر دینی ہیں تو مجھے دی جائیں، نہ کہ ادارۂ ''اشراق'' کو۔ مجھے امید ہے کہ میری اس وضاحت سے ''اشراق'' کے خلاف بغض اور کینے سے ''محدثین'' کا سینہ صاف ہو جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اب آتے ہیں نفس مضمون کی طرف طعنوں اور کوسنوں کے انبار میں میں کام کی بات ڈھونڈتا رہا جو میرے علم میں اضافہ کرے اور میں اس کا علمی جواب دے سکوں، مجھے اس جستجو میں سخت مایوسی ہوئی، کیونکہ تمام مقالہ نگاروں کا فکری انتشار واضح طور پر نظر آرہا ہے۔ ام ورقہ کی روایت سب کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے۔ کچھ لوگوں نے امام دارقطنی کی ایک روایت کے حوالہ سے اسے عورتوں کی امامت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کاوش کی، (صفحہ ۲۴، ۳۸، ۴۸) کچھ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا (صفحہ ۵۰) اور جن صاحبان نے (بشمول ناصر الدین البانی) اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، ان پر تنقید کی ہے۔ حالانکہ خود صلاح الدین یوسف اور حافظ زبیر علی زئی نے اس حدیث کو کم از کم حسن قرار دیا ہے۔ ایک اور صاحب پردے کے احکام کے بعد اسے منسوخ تصور کرتے ہیں (صفحہ ۳۷) ان صاحب نے سنن ابی داؤد کی روایات کو دیکھا تک نہیں وگرنہ وہ یہ نہ کہتے کہ پروفیسر خورشید عالم کے نزدیک پہلی روایت کامل تر ہے۔ حالانکہ یہ قول راوی کا ہے نہ کہ میرا۔ میں بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ پہلے آپ اس حدیث کے بارے میں ایک رائے پر متفق ہو جائیں پھر میں جواب دوں گا، لیکن میں اس کے باوجود چند اعتراضات کے جواب اور چند شبہات کا ازالہ مناسب سمجھتا ہوں۔

زیر نظر مضمون میں میں نے عورت کی امامت کے بارے میں تمام نقطہ ہائے نظر کو انتہائی دیانت داری سے بیان کر کے موافق و مخالف دلائل کا فنی تجزیہ کیا ہے۔ کسی فریق کے حق میں یا اس کے خلاف اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا، بلکہ یہ کام قاری کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ ہاں میں نے یہ بات ضرور کہی ہے کہ جو علما عورت کی مطلق امامت کے قائل ہیں، ان کی دلیل مضبوط ہے کیونکہ ان کا ماخذ صحاح ستہ کی مستند حدیث ہے۔ اب یہ کہنا کہ عورت کی مطلق امامت کا کوئی بھی قائل نہیں اور ''بدایۃ المجتہد'' اور ''المغنی'' کے حوالے بے سند ہیں، لہٰذا غیر معتبر ہیں (ص ۴۹)، حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف ہے جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ اس اختلاف کا ذکر فقہ کی کم و بیش ہر کتاب میں ہے۔

جون کے ''بینات کراچی'' میں عورت کی امامت پر لندن سے مولانا عمر فاروق کا مضمون چھپا ہے جس میں انھوں نے ابن رسلان اور صاحب المنہل کے حوالہ سے ابوثور، مزنی، طبری کے ساتھ امام داؤد ظاہری کا نام بھی شامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ ''محدث'' کے صاحب مضمون شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی صفحہ ۶۳ پر فرماتے ہیں: ''ابن جریر شیعہ ہے، کیونکہ عورت کی امامت شیعہ کے ہاں جائز ہے۔'' مجھے اس بارے میں قطعی کوئی علم نہیں، بہر کیف اگر شیخ الحدیث فرماتے ہیں تو درست ہوگا (دروغ برگردن راوی)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ام ورقہ کی روایت کے بارے میں ''محدث'' کے محدثین کا سارا زور اس بات پر صرف ہوا ہے کہ سنن دارقطنی کی روایت میں ہے کہ ام ورقہ کو اللہ کے رسول نے اجازت دی تھی کہ ان کے لیے اذان اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنی عورتوں کی امامت کرائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سنن دارقطنی میں یہ حدیث دو مرتبہ روایت کی گئی ہے۔ ایک دفعہ 'کتاب الصلاة باب فی ذکر الجماعة و اهلها و صفة الامام' میں اس حدیث کا متن وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ دوسری دفعہ باب 'صلوة النساء جماعة و موقف امامهن' میں، اس حدیث کا متن ہو بہو وہی ہے جو ابوداؤد کی روایت کا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے اہل محلّہ یا اہل خاندان کی امامت کرائیں۔ عنوان ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام دارقطنی کا رجحان کس طرف ہے۔ اس حدیث میں بھی 'عن أم ورقه' کے بعد سنن دارقطنی میں ایک جملے کا اضافہ ہے جو حدیث کی کسی کتاب میں مروی نہیں۔ وہ جملہ ہے 'کانت تؤم' اس جملے کی وجہ سے میں نے پہلے روایت میں یہ ترجمہ کیا کہ وہ عورتوں کی امامت کراتی تھیں اور اس جملے کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا۔ بہرکیف اگر محدثین اس حسن توجیہ کو نہیں مانتے تو مجھے اس پر اصرار نہیں۔ پہلی روایت ولید بن جمیع نے اپنی ماں سے روایت کی ہے اور اس میں 'عنعنه' ہے۔ دوسری روایت ولید بن جمیع نے اپنی دادی سے روایت کی ہے اور اس میں 'حدثنا' کے لفظ سے روایت کی گئی ہے۔ ماں مجہول الحال ہے جبکہ دادی ثقہ ہے۔ مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ''محدث'' کے محدثین نے دوسری روایت جو متفقہ روایت ہے، کا ذکر دیدہ و دانستہ گول کر دیا ہے، حالانکہ سنن دارقطنی نے عورتوں کی جماعت کا جو مخصوص باب باندھا ہے، اس میں دوسری روایت بیان ہوئی ہے جس میں 'اهل دارها' کی جماعت کا ذکر ہے نہ کہ 'نسائها' (اپنی عورتوں) کا۔ یہ بات علمی دیانت کے منافی ہے۔

میں امام دارقطنی پر حنفی فقیہ محمود بن احمد عینی (متوفی ۵۸۸ھ) کی جرح کا ذکر نہیں کروں گا، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ پہلی روایت کو علامہ ابن جوزی اور علامہ ذہبی نے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت شاذ ہے جس کا ذکر حدیث کے کسی اور مجموعے میں نہیں ملتا۔ بلکہ حاکم نے جن کا زمانہ دارقطنی کے بعد کا ہے، کہا ہے کہ ''اس باب میں مجھے اس حدیث (سنن ابی داؤد) کے علاوہ اور کسی مسند حدیث کا علم نہیں۔'' نہ جانے کیوں ''محدث'' کے مقالہ نگار متفقہ روایت کو چھوڑ کر شاذ روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں محض اس لیے کہ اپنے ذہنی تحفظات کی روشنی میں اس حدیث سے استفادہ کر سکیں۔ وہ دارقطنی نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے اس کا حوالہ تو دیتے ہیں، مگر جو باب امام ابوداؤد نے باندھا ہے یعنی 'امامة النساء' یا مستدرک کے عنوان 'امامة المراة اهل دارها فی الفرائض' یا بیہقی نے جو باب باندھا ہے 'باب الاذان و الاقامة فی البیوت و غیرها' ان پر ان کی نظر نہیں پڑتی۔ اس

سلسلہ میں ''محدث'' کے حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ انھوں نے 'الموسوعة الفقهية' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ سنن ابی داؤد کے اس نسخے میں جو عزت عبید وعاس کی تحقیق سے شائع ہوا ہے، 'أن تؤم نساء اهل دارها' (کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کی امامت کرے) کے الفاظ درج ہیں۔ میں نے عزت عبید وعاس اور عادل السید کے نسخے کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیکھا تو ان الفاظ کا نام و نشان نہ تھا، بلکہ ہو بہو وہی الفاظ تھے جو دوسرے نسخوں میں ہیں۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ حافظ صاحب کو احتیاط کرنی چاہیے۔

''محدث'' کے بعض مقالہ نگاروں نے لفظ 'اهل' کو عورتوں کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوشش کی ہے اور 'اهل دارها' کا ترجمہ گھر والیاں کیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ امام راغب کا قول ہے اصل میں 'اهل' تو وہ ہیں جو کسی کے ساتھ ایک مسکن میں رہتے ہوں۔ القاموس المحیط اور لسان العرب میں ہے کہ لفظ آل کا اصل بھی اہل ہے ... 'آل الرجل' آدمی کے گھر والوں کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انجام کار انھی کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔ یہ سب ہتھکنڈے اس لیے استعمال ہوئے ہیں کہ وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ عورت مرد کی امامت کرا سکتی ہے، خواہ اس کی تائید صحاح ستہ کی حدیث ہی کیوں نہ کرتی ہو؟

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث کو ہم تسلیم کرتے ہیں، مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ام ورقہ مردوں کی امامت کراتی تھیں۔ روایت کے اندر ایسے ثبوت ہیں کہ جن کی تردید ممکن نہیں۔ ہم 'دار' کے وسیع معنی کو سر دست نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے معنی گھر ہی لیتے ہیں۔ اس گھر کے افراد کون تھے؟ ایک غلام، ایک لونڈی اور ایک بوڑھا موذن۔ کہا گیا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ غلام اور موذن ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ موذن اذان دینے کے بعد مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھتے ہوں کیونکہ وہاں نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ روایت میں ہے کہ ام ورقہ کو اجازت دی گئی کہ ان کے لیے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے یعنی موذن اذان دینے اور اقامت کہنے کے بعد صف سے کھسک کر مسجد نبوی میں پہنچ جاتا تھا۔ یہ بات حافظ صلاح الدین یوسف صاحب ہی کہہ سکتے ہیں۔ سنن بیہقی نے جس باب میں ام ورقہ کی حدیث دی ہے، اس کا عنوان ہے 'باب الأذان والاقامة فی البیوت وغیرها'۔ اس سلسلہ میں درج ذیل حقائق کو ذہن میں رکھنا چاہیے:

ا۔ حضرت ام ورقہ حافظ قرآن اور قاری تھیں۔ اس سلسلے میں انھیں دوسرے افراد خاندان پر فضیلت حاصل تھی، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں امامت کرنے کا حکم دیا۔ امامت کی اہلیت میں نسلی یا جنسی شناخت

لائق اعتنا نہیں۔

۲۔حضرت ام ورقہ اوران کے قبیلے کے مکان آبادی سے ہٹ کر تھے اورقریب میں کوئی مسجد نہ تھی جہاں حضرت ام ورقہ اوران کے خاندان یا قبیلے والے باجماعت نماز پڑھ سکتے۔اگر مسجد نبوی اتنی قریب ہوتی کہ موذن اذان اور اقامت کے بعد وہاں جاکر نماز پڑھ لے تو پھر ام ورقہ اوران کے خاندان والوں کے لیے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے میں کون سی رکاوٹ تھی؟

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ ۵ہجری میں پردے کے احکام کے بعد یہ اجازت منسوخ ہوگئی۔ان صاحب کو''طبقات'' ابن سعد اور''الاستیعاب'' کی طرف رجوع کرنا چاہیے،جس میں لکھا ہے کہ ام ورقہ اپنے اس خاندان کی اس وقت تک امامت کرتی رہیں جب تک ان کے غلام اورلونڈی نے ان کا سانس نہ بند کر دیا۔یہ واقعہ حضرت عمر کے زمانے میں پیش آیا۔حوالہ میرے مضمون میں موجود ہے۔

البتہ اس قول میں وزن ہے کہ یہ استثنائی واقعہ ہے۔اورآج کل بھی اگر اس قسم کے حالات ہوں تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔امام احمد بن حنبل کا ایک قول،صاحب عون المعبود اور صاحب المغنی اورڈاکٹر حمیداللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ''محدث'' کے محدث مولانا ارشاد الحق اثری صاحب المغنی کی اس عبارت کو گول کر گئے ہیں: 'ولو قدر ثبوت ذلك لام ورقة لكان خالصا لها'(۲:۱۹۹)''اگر اس کا ثبوت (مردوں کی امامت کا) ام ورقہ کے لیے دے بھی دیا جائے تب بھی یہ واقعہ ام ورقہ کے ساتھ خاص ہوگا'' میں پھر بھی ان کی شان میں دجل اور ہوس ناکی جیسے گھٹیا الفاظ استعمال نہیں کروں گا۔ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مردوں کے لیے عورتوں کی امامت کے خلاف فقہ کی کتابوں میں جن دو معروف حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔میں نے ان حدیثوں پر اپنے مضمون میں فنی تجزیہ کیا ہے۔''محدث'' کے کسی مضمون نگار نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔

مضمون میں میں نے ثابت کیا ہے کہ حدیث صحیح ہے،اس سلسلہ میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔کسی نے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا،ہاں دو راویوں کے بارے میں کلام کیا ہے جس کی تردید حفاظ حدیث نے کر دی ہے۔اس حدیث کی بنا پر جن فقہا اور ائمہ نے عورت کی امامت مطلق کا نظریہ پیش کیا ہے،ان کا ذکر مستند حوالوں میں موجود ہے۔اگر حوالوں ہی کو نہ مانا جائے تو اس کا علاج میرے پاس نہیں۔ان صاحبان علم کی رائے سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی مردوں کے لیے امامت کے عدم جواز پر اجماع نہیں۔یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔اس مسئلے کو محض ایک فتنہ اورقرب قیامت کی علامت بنانے کی بجائے اس پر تحقیقی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔جو لوگ اس واقعہ کو غارت گر

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

ایمان سمجھتے ہیں، وہ کتاب وسنت پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ بات اصولی طور پر درست نہیں کہ مستقبل کے دین کو اور اس دین کو جو آخری لمحے تک ہماری رہنمائی کا دعوے دار ہے، اسے ایک خاص تعبیر کے تابع کر کے اختلاف رائے کو برداشت نہ کیا جائے۔ ایسا کرنا وحی کو اس کے فریضے سے معطل کرنا ہے۔ ایک مسئلے کی نظیر موجود ہے اور جمہور سے اختلاف کرنے والے اہل علم صحاح ستہ کی صحیح حدیث کی سند بھی پیش کرتے ہیں تو کیوں نہ ان کی رائے پر غور وفکر کیا جائے؟

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ریحان احمد یوسفی

فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے

سانحوں کے شہر کراچی میں ۳۰ مئی، ۲۰۰۵ کا سورج غروب ہوا۔ حسب معمول شہر کی ہر مسجد سے رب کی بڑائی کی صدائیں آنا شروع ہوگئیں۔ مسجد کے میناروں سے بلند ہوتا یہ نغمۂ توحید دیگر لوگوں کی طرح ان تین افراد نے بھی سنا جو امام بارگاہ مدینۃ العلم کو خاک و خون میں نہلانے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ ''شوق شہادت'' سے سرشار یہ تین خودکش حملہ آور مسجد تک پہنچے۔ نماز شروع ہو چکی تھی۔ انھوں نے بھی اپنی کارروائی شروع کی۔ تاہم ڈیوٹی پر موجود پولیس اہل کاروں نے خلاف روایت ان حملہ آوروں کی کوشش بڑی حد تک ناکام بنادی۔ ایک پولیس اہلکار نے اپنی جان کی قیمت پر یہ حملہ ناکام بنادیا۔ دو حملہ آور مارے گئے۔ ایک زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ حملہ آوروں کی فائرنگ سے کچھ نمازی بھی زخمی ہوئے۔ مگر مجموعی طور پر اس طرح کا جانی نقصان نہیں ہوا جو اس سے قبل ایسے حملوں میں معمول بن چکا ہے۔ آسمان نے سمجھا کہ ایک بڑا سانحہ رونما ہوتے ہوتے رہ گیا، مگر اس کی غلط فہمی جلد ہی دور ہوگئی۔ سانحہ تو اب شروع ہوا تھا۔

مشتعل افراد امام بارگاہ کے گرد جمع ہوئے۔ ان کے غضب کی آگ نے ان لوگوں کو جلانا شروع کر دیا جن کا اس حملے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ سب سے پہلے امام بارگاہ کے قریب واقع ایک ریسٹورنٹ کو آگ لگائی گئی۔ راستے سے گزرنے والی گاڑیوں کو جلانے کا عمل شروع ہوا۔ پھر پٹرول پمپ اور دکانوں کی شامت آئی اور انھیں بھی نذر آتش کر دیا گیا۔ ''مجاہدین'' نے ان دکانوں کا سامان مال غنیمت سمجھ کر لوٹا۔ پولیس اور فائر بریگیڈ اس عرصے میں کھڑی تماشا دیکھتی رہی۔

یہ ''جہاد اکبر'' جب ختم ہوا تو امام بارگاہ پر حملہ کرنے والوں کا کچھ بگڑا، نہ انھیں حملے پر آمادہ کرنے والوں کا، مگر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بے قصور لوگوں کا بہت کچھ برد باد ہو گیا۔ ان میں وہ چھ خاندان بھی شامل تھے جن کے سر پرست اور کفیل رزق حلال کے حصول کے لیے ریسٹورنٹ میں ملازمت کرتے تھے۔ یہ لوگ آخری وقت تک ریسٹورنٹ میں رکے تاکہ وہاں آنے والوں کو بحفاظت نکال دیں۔ اس کی سزا یہ ملی کہ انھیں زندہ جلا دیا گیا۔

انسانیت درندگی میں کیسے بدلتی ہے، اس روز چشم فلک نے یہ نظارہ خوب دیکھا۔ اہل زمین نے بھی میڈیا پر اس واقعے کی تفصیلات کو سنا اور شرم سے سر جھکا دیا۔ اداریے لکھے گئے۔ رپورٹیں نشر ہوئیں۔ مذمت کی ایک لہر اٹھی۔ ہمدردی اور تاسف کی ایک فضا قائم ہوئی۔ روایتی اعلانات ہوئے۔ خفیہ ہاتھ دریافت کیے گئے۔ پھر رات گئی بات گئی۔ خاموشی اور بے حسی کی فضا میں ہر شخص بھول گیا کہ کیا ہوا تھا اور کیوں ہوا تھا۔ اب دوبارہ جب کوئی نیا سانحہ ہوگا، جو جلد یا بدیر بہر حال ہونا ہی ہے، تو پھر یہی کہانی نئے مقام اور کرداروں کے ساتھ دہرا دی جائے گی۔

اس واقعے کے بہت سے پہلو ہیں جن پر گفتگو کی جانی چاہیے، مگر ایک پہلو ایسا ہے جو ہمارے نزدیک بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ ہے نفرت، احتجاج اور جلاؤ گھیراؤ کا ہمارا وہ رویہ جو ہمارے قومی مزاج کا حصہ بن چکا ہے۔ ہم نے ہزار سال تک دنیا پر اس طرح حکومت کی ہے کہ ہمارے مقابلے میں جو اٹھتا ہم اسے عراق اور افغانستان میں بدل دیتے تھے۔ کتنے ہی ''صدام حسین اور اسامہ بن لادن'' ہم سے ٹکرانے آئے، مگر ہمارے اقتدار کی ایک اینٹ بھی نہ ہلا سکے۔ ہماری طاقت کے مراکز مدینہ سے دمشق، دمشق سے بغداد اور بغداد سے قسطنطنیہ تک تو یقیناً منتقل ہوئے، مگر ہم رہے وہی سول سپریم پاور۔ پھر عروج و زوال کا ابدی قانون حرکت میں آیا اور ہمارے اقتدار کے سورج کو گہن لگ گیا۔ مسلمان غالب سے مغلوب ہوئے۔ خلافت ختم ہوگئی۔ براعظم یورپ میں ہسپانیہ کو گنوانے کے بعد براعظم ہند میں بھی ہماری سلطنت کا سورج غروب ہوا۔ بیسویں صدی کے آغاز پر مسلمان دنیا بھر میں سیاسی طور پر غلام بن چکے تھے۔

یہ وہ صورت حال تھی جس میں ہمارے ہاں احساس زیاں پیدا ہوا۔ ہماری بدقسمتی یہ ہوئی کہ ہمارے ہاں زیاں کے نام پر صرف سیاسی زوال کو اہم سمجھا گیا اور اس کا ذمہ دار یورپی اقوام کی سازشوں کو قرار دیا گیا۔ یہی ہمارے مفکرین کی بنیادی غلطی تھی۔ کیونکہ ہمارا سیاسی زوال ہمارے علمی اور اخلاقی زوال کا نتیجہ تھا، جبکہ یورپی اقوام کے عروج کے پیچھے یہ حقیقت کارفرما تھی کہ انھوں نے ایک طویل سفر کے بعد طاقت اور توانائی کے نئے ذخائر دریافت کیے اور ان کا استعمال سیکھ لیا تھا۔ جب ہم نے اس بات کو نہیں سمجھا تو علم و اخلاق کے اپنے زوال کو دور کرنے اور طاقت و توانائی کے نئے ذخائر کو دریافت کرنے کے بجائے عوامی جذبات کا تمام تر رخ نفرت، غصے، احتجاج اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ٹکراؤ کی طرف موڑ دیا۔ اس راستے پر چل کر چند صدی قبل لاکھوں صلیبیوں نے چند ہزار مسلمانوں سے بہت مار کھائی تھی۔ آج مسلمان اسی راستے پر چل کر انھی کی نسلوں سے مار کھا رہے ہیں۔

بات صرف اتنی ہی نہیں کہ ہم دو سو سال سے مار کھا رہے ہیں اور کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتے، زیادہ سنگین مسئلہ یہ ہے کہ نفرت اور غصے کی یہ آگ، جلاؤ اور گھیراؤ کا یہ طریقہ، احتجاج اور مظاہروں کی یہ سوچ خود ہمارے معاشروں کو برباد کر رہی ہے۔ ہماری پوری فکری قیادت اس وقت صرف ایک کام کر رہی ہے اور وہ ہے غیر مسلموں کے خلاف نفرت اور انتقام کی فضا پیدا کرنا۔ اس فضا میں کوئی تعمیری کام نہیں ہو سکتا۔ صرف تخریب ہو سکتی ہے اور وہی ہو رہی ہے۔ یہ تخریب کبھی غیروں کے خلاف ہوتی ہے اور کبھی اپنوں کے خلاف ہو جاتی ہے۔ جس اصول پر ہم غیر مسلموں کے عوام الناس پر خودکش حملے کرتے ہیں اسی اصول پر ہم اپنے معاشروں میں یہ کام کرتے ہیں۔ جس سوچ کے ساتھ ہم غیر مسلم عوام کی جان و مال کو مباح سمجھ لیتے ہیں، اسی سوچ کے ساتھ ہم دوسرے فرقے اور دوسری قومیت کی جان و مال کی بربادی کو معمولی بات سمجھ لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمیں دنیا کی طاقت ور اقوام کی پٹائی بھی سہنی پڑتی ہے اور ایک دوسرے کے ہاتھوں بدترین نقصانات بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔ مگر ہمارے نام نہاد مفکرین اپنی حقیقی کمزوری کے اسباب دور کرنے کے بجائے تیاری کے بغیر طاقت ور اقوام سے ٹکرانے کا مشورہ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف اپنے بدترین اخلاقی جرائم پر غیر ملکی سازش کا پردہ ڈال دیتے ہیں۔

ان حالات میں ہم اپنی قوم کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بربادی کا راستہ ہے۔ دوسروں کی نہیں، اپنی بربادی کا راستہ۔ یہ تخریب کا راستہ ہے۔ دوسروں کی نہیں، اپنی تخریب کا راستہ۔ یہ زوال کا راستہ ہے۔ دوسروں کے نہیں، اپنے زوال کا راستہ ہے۔ تعمیر کا راستہ احتجاج سے نہیں، صبر سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ٹکراؤ سے نہیں، اعراض سے شروع ہوتا ہے۔ یہ نفرت سے نہیں، درگزر سے شروع ہوتا ہے۔ یہ غیر مسلموں کو دشمن سمجھنے سے نہیں، ان کو اسلام کا مخاطب بنانے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ سیاست کے میدان سے نہیں، علم کے میدان سے شروع ہوتا ہے۔

اب فیصلہ ہماری قوم کو کرنا ہے کہ اسے کس راستے پر چلنا ہے۔ دونوں رستے اس کے سامنے ہیں۔ وہ چاہے تو احتجاج، ٹکراؤ، نفرت، انتقام کے راستے پر چلے اور چاہے تو صبر، محبت، دعوت اور علم کے راستے پر چلے۔ فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے......

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ریحان احمد یوسفی

ایف آئی آر

ایف آئی آر لکھوانے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا، مگر میری خوش قسمتی یہ تھی کہ اس ایف آئی آر کے لیے میں کسی تھانے میں موجود نہ تھا۔ یہ ایف آئی آر ایک قتل کی تھی اور میرا چہرہ آسمان کی طرف تھا۔

میرے کانوں میں ایک غمزدہ ماں اور ایک نوجوان بیوہ کے سسکنے کی آواز آ رہی تھی۔ رات بھر میں ان کے رونے کی سکت بھی ختم ہو چکی تھی۔ میں نے نظر دوڑائی تو آصف کی دونوں معصوم بچیاں اپنے ننھے ہاتھوں میں بسکٹ پکڑے باپ کے جنازے کے گرد منڈلا رہی تھیں۔ وہ اتنی کم عمر تھیں کہ یہ بھی نہ جان سکیں کہ ان کے ساتھ کیا سانحہ پیش آ چکا ہے۔ ذرا قریب ہی آصف کی بہنیں شدت غم سے نڈھال اپنے جوان بھائی کی ناگہانی موت پر حسرت و یاس کی تصویر بنی بیٹھی تھیں۔ اس جواں مرگ پر ہر آنکھ اشک بار اور ہر چہرہ اداس تھا۔

میں جب جب اس منظر کو دیکھتا میرا کلیجا پھٹنے لگتا۔ آصف اپنے گھر کا واحد کفیل تھا۔ بیوہ ماں کا واحد سہارا، بہنوں کی تمناؤں کا مرکز اور دو معصوم بچیوں کا باپ۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آصف کی جوان موت کا غم زیادہ بڑا ہے یا پیچھے رہ جانے والوں کے مسائل زیادہ بڑے ہیں۔ میں غموں کے پہاڑ کو تولنے کے لیے کسی ترازو کی تلاش میں تھا کہ کان میں کسی شخص کی آواز آئی۔ یہ آواز آصف کی خوش قسمتی پر داد دے رہی تھی کہ مرنے والوں میں آصف واحد شخص تھا جس کی لاش صحیح سالم برآمد ہوئی تھی۔ کے ایف سی کو لگائی جانے والی آگ اتنی شدید تھی کہ مرنے والے دیگر نوجوانوں کی لاشیں بری طرح جھلس گئی تھیں۔ شاید ان کا جرم ہی اتنا بڑا تھا۔ عالم اسلام کے سب سے بڑے دشمن ملک کی ایک فوڈ چین کے نام سے چلنے والے ریسٹورنٹ میں ملازمت کرتے تھے۔ بھلا یہ

کوئی معمولی جرم ہے؟

میں نے ایک نظر آصف کے کفنائے ہوئے جسد پر ڈالی۔ وہ بڑی گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے محنت بھی تو بہت کی تھی۔ مہنگائی کے عفریت سے مقابلہ کرنے کے لیے گھر کا یہ تنہا کفیل دو ملازمتیں کرتا تھا۔ کے ایف سی اس کی دوسری ملازمت تھی جہاں رات گئے تک وہ ان لوگوں کے لیے لذت کام و دہن کا اہتمام کرتا تھا جو مہنگائی کے مسئلے سے بے نیاز ہیں۔ وہ میری امی سے کہتا تھا کہ میری بڑی خواہش ہے کہ کبھی نیند بھر کر سو جاؤں۔ آخر جوانی کی نیند تو جوانی کی ہوتی ہے۔ میں نے اسے دیکھا اور کہا: ''آج تمھاری خواہش پوری ہوئی۔ اب سو جاؤ نیند بھر کے۔''

مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میں آصف کے پاس سے ہٹا اور اس کے پاس چلا آیا جو ایک روز تمام سوتے ہوؤں کو جگانے والا ہے۔ میں نے اسے دیکھا اور کہا کہ مجھے ایک ایف آئی آر لکھوانی ہے۔ میں آصف کے قتل اور اس کے خاندان کی بربادی کے مقدمے کو تیری بارگاہ میں درج کرانا چاہتا ہوں۔ پوچھا گیا: ''کس کے خلاف مقدمہ کرنا چاہتے ہو؟''

میں نے کہا: ''آگ لگانے والوں کے خلاف اور آگ لگانے والوں میں نفرت اور انتقام کے شعلے بھڑکانے والوں کے خلاف۔ ان لوگوں کے خلاف جن کی تحریریں ذہنوں میں نفرت کا زہر گھولتی اور جن کی زبانیں دلوں میں آتش غضب بھڑکاتی ہیں۔ جو فرقہ بندی کے اسیر ہیں اور اسی کی زنجیروں میں پورے معاشرے کو جکڑنا چاہتے ہیں۔ جو کسی قوم اور گروہ کی دشمنی پر اترتے ہیں تو عدل کے ہر پیمانے کو بھول جاتے ہیں۔ جو قانون شکنی، لوٹ مار، جلاؤ گھیراؤ اور جان، مال، آبرو کی بربادی کو جہاد کا نام دیتے ہیں۔ جو تعمیر کے بجائے تخریب سے خوش ہوتے ہیں۔ جو ایک قوم اور گروہ کو کافر اور دشمن قرار دیتے ہیں تو اس کے ہر مرد و عورت، بچے بوڑھے، مقاتل و غیر مقاتل کی جان کو مباح قرار دیتے ہیں۔ جو خودکش حملوں کی تربیت دیتے اور ان کی تائید کرتے ہیں۔ جو بے گناہ لوگوں کو اپنے خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر مجرم قرار دے کر انھیں عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو خود نفرت کے اندھیروں کے مسافر ہیں اور اس کے علاج کے لیے نفرت کے مزید اندھیرے تجویز کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود رب العالمین کے غضب کا شکار ہیں اور اس کے حضور توبہ کرنے کے بجائے مزید لوگوں کو خدا کے غضب میں مبتلا کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں پر حق کی شہادت دینے کے بجائے ان سے اپنے حقوق کی جنگ لڑتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے غیر مسلموں کو اسلام کے مدعو بنانے کے بجائے انھیں اسلام کا عدو بنا دیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا کل سرمایہ وہ نظریۂ سازش ہے جس کی عینک لگانے کے بعد ہر شخص اپنا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دشمن نظر آتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ضد اور ہٹ دھرمی پر جب اترتے ہیں تو قرآن کا ہر حکم، رسول کا ہر فرمان اور عقل کی ہر بات ان کے سامنے بے وقعت ہو جاتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اختلاف کرتے ہیں تو اسے عناد تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کے بندے انھیں صحیح بات کی طرف بلاتے ہیں تو بنی اسرائیل کی طرح ان کی جان کے در پے ہو جاتے ہیں۔''

جنازہ ظہر کے بعد پڑھا جانا تھا۔ جماعت سے پہلے نفل میں جب میں سجدہ میں گیا تو دیر تک سر نہ اٹھا سکا... یہاں تک کہ فیصلہ ہو گیا۔ آگ لگانے والوں کے لیے آگ ہے اور آگ پھیلانے والوں کے لیے محرومی۔ پہلوں کے لیے خداوند کی رحمت سے دوری لکھ دی گئی اور دوسروں کے لیے امت کی امامت سے معزولی۔ رہا آصف تو اس کا استقبال کیا جا چکا۔

موذن کی صدا آئی اور خداوند تمام جہانوں کے خدا کی بڑائی زمین پر بھی اسی طرح بیان ہونا شروع ہو گئی جس طرح آسمانوں پر ہوتی ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تکبیر مسلسل

خورشید احمد ندیم

کیا حقیقت پسندی جرم ہے؟

حقیقت پسندی اور آئیڈیلزم میں توازن انسانی زندگی کا بنیادی مطالبہ ہے۔ زندگی آئیڈیل سے محروم ہو جائے تو بے مقصد ہو جاتی ہے اور قدم اٹھاتے وقت اگر حقائق کی تکذیب کی جائے تو المیے جنم لیتے ہیں۔ انسانی تاریخ اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کرتی آگے بڑھ رہی ہے۔ میرے نزدیک دونوں میں کوئی تضاد نہیں اور توافق ممکن ہے۔ آئیڈیل کا تعلق مقصد سے ہے اور حقیقت پسندی کا حکمت عملی سے۔ آئیڈیل منزل ہے اور حقیقت پسندی زاد راہ۔ سفر کبھی آئیڈیل کے سفینے پر طے نہیں ہوتے، اس کے لیے سیارۂ حقیقت چاہیے۔ دنیا بھر کے ادیب اور شعرا اس امر کو رومانویت کا رنگ تو دے سکتے ہیں، لیکن کبھی اس امر واقعہ کا انکار نہیں کر سکتے کہ چناب کی بپھری موجوں پر کچے گھڑے سے سفر ممکن نہیں ہے۔

ہم مسلمانوں کا ایک المیہ یہ ہے کہ ہم انفرادی سطح پر اس توازن کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن اگر معاملہ قومی اور ملی امور سے متعلق ہو تو پھر ہر بات میں مثالیت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جب اس کے نتیجے میں المیے جنم لیتے ہیں تو انشا پردازی سے ان المیوں پر پھولوں کی چادر چڑھاتے اور موت کو زندگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ موت کبھی زندگی نہیں ہوتی۔

آئیے دیکھیں کہ انفرادی زندگی میں ہم کیا کرتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی جب شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کی نظر میں جیون ساتھی کا ایک مثالی تصور ہوتا ہے۔ جب یہ آئیڈیل حاصل نہیں ہوتا تو ہر عقل مند آدمی حقیقت پسند ہو جاتا ہے۔ وہ اردگرد دیکھتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ جو کچھ میسر ہے، اس میں سے بہتر کیا ہے۔ اس کی بنیاد پر فیصلہ ہوتا اور گھر

بس جاتا ہے۔اسی طرح ہم میں سے ہر کوئی اپنے ذہن میں گھر کا ایک تصور رکھتا ہے۔اس کے در و دیوار، کمروں اور آسایشوں کے بارے میں اس کا ایک خواب ہوتا ہے۔ جب زمینی حقائق اس خواب کی تعبیر میں حائل ہوتے ہیں تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ وہ دیواروں سے سر پھوڑ لے۔ پھر وہ موجود وسائل کی بنیاد پر گھر لیتا اور رہنے لگتا ہے۔ اسلام آباد، لاہور اور کراچی کی کچی بستیوں اور مضافات میں رہنے والوں میں سے کون ہے جو ای سیون، ماڈل ٹاؤن اور ڈیفنس میں نہیں رہنا چاہتا۔لیکن اس کا عملی فیصلہ زمینی حقائق ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ اس نے کہاں رہنا ہے۔ہم میں سے ہر کوئی ایک اچھی گاڑی چاہتا ہے۔ جب یہ آئیڈیل میسر نہیں ہوتا تو پھر ہم سائیکل، موٹر سائیکل یا پھر مہران وغیرہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

آپ اس فہرست کو جتنا چاہیں دراز کر لیں، آپ کو ہر عقل مند آدمی حقیقت پسند نظر آئے گا۔اکثر لوگ عملاً آئیڈیل کو فراموش کر دیتے ہیں، لیکن جو یاد رکھتے ہیں وہ تدریجاً حقائق کے اعتراف کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور یہی زندگی میں مطلوب ہے۔ یہ لوگ آئیڈیل حاصل نہ کر سکیں تو اس کے کچھ قریب ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ہم اپنی اصطلاح میں جن لوگوں کو کامیاب یا سیلف میڈ (Self made) قرار دیتے ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہوتا جو حقائق کی تکذیب کرتا ہو۔حقائق کا یہ اعتراف انسانوں میں مسلسل محنت، صبر اور مستقل مزاجی کا مزاج پیدا کرتا ہے اور یوں وہ آگے بڑھتا منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

یہی لوگ جب ایک اجتماعی وجود اختیار کرتے ہیں تو منزل اور راستہ، دونوں کے بارے میں مثالیت پسند ہو جاتے ہیں اور پھر المیوں پر المیے جنم لیتے رہتے ہیں۔مثال کے طور پر فلسطین کا مسئلہ دیکھیے ۔یہ بات اب جھٹلانا ممکن نہیں کہ مشرق وسطیٰ سے اسرائیل کا وجود ختم نہیں ہو سکتا۔فلسطینیوں کے لیے واحد ممکن حل، جو ان کے مفاد میں ہے، یہی ہے کہ اسرائیل کے ساتھ ان کی بھی ایک آزاد ریاست قائم ہو جائے۔ہم اس کا اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں اور ہمارا اصرار ہے کہ مشرق وسطیٰ کو اسرائیل کے ناجائز وجود سے پاک کر دیں گے۔اس اصرار نے فلسطینیوں کی کئی نسلوں کو تباہ کر دیا اور ہر نئے روڈ میپ میں مجوزہ فلسطینی ریاست کا جغرافیہ سمٹتا چلا جا رہا ہے۔اسی طرح کشمیر کے بارے میں دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ یہ کسی عسکری جدوجہد سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کا چیف آف آرمی سٹاف کئی مرتبہ یہ بات کہہ چکا ہے کہ کشمیر جنگ سے آزاد نہیں ہو سکتا۔لیکن اس کے باوجود ہمیں اصرار ہے کہ کشمیر جہاد سے آزاد ہو گا۔اس کا نتیجہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ ہر کشمیری گھر میں ایک ایسا المیہ جنم لے چکا ہے جس کی کسک کئی نسلوں تک محسوس کی جاتی رہے گی۔ چیچنیا کے نقشے پر ایک نظر ڈالنے ہی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی آزادی ممکن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نہیں ہے۔ وہ چاروں طرف سے روس میں گھرا ہوا ہے، لیکن ہم بضد ہیں کہ چیچنیا کو آزاد کرائیں گے۔ اس فہرست کو بھی آپ جتنا چاہیں طویل کر لیں، ہر جگہ یہ نظر آتا ہے کہ مسلمان منزل اور راستے، دونوں میں مثالیت پسند ہیں۔ مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس طرزِ عمل نے ایک نفسیاتی مرض کی صورت اختیار کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ حقیقت پسندی کا استہزا کے لہجے میں ذکر کرتے اور اس کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جیسے یہ کوئی انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ نفسیاتی مرض یہی ہوتا ہے کہ چیزوں کی ترتیب الٹ جاتی ہے۔

آج ہماری ضرورت ہے کہ ہم ملی اور قومی امور میں آئیڈیلزم اور حقیقت پسندی میں ویسا ہی توازن پیدا کریں جیسا کہ ہم ذاتی زندگی میں کرتے ہیں۔ منزل ہمارے سامنے رہنی چاہیے، لیکن زادِ راہ وہی لیا جا سکتا ہے جو میسر ہے۔ اس کی ایک اچھی مثال علامہ اقبال ہیں۔ اقبال اپنی شاعری میں مثالیت پسند ہیں اور ممولے کو شہباز سے لڑاتے نظر آتے ہیں، لیکن انھوں نے جب بھی مسلمانوں کے عملی مسائل کا تجزیہ کیا ہے، وہ ہمیشہ حقیقت پسندی پر مبنی رہا ہے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی شاعری میں نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر، حرم کی پاسبانی کے لیے مسلمانوں کو ایک دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن عملاً وہ جانتے ہیں کہ اب مسلمانوں کی کسی عالمی خلافت یا سیاسی نظام کا قیام ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ اس کا حل بتاتے ہیں کہ مسلمان قومی ریاستوں (Muslim Nation States) کو انفرادی حیثیت میں منظّم ہونا چاہیے اور تمام توجہ اپنی انفرادی تعمیر پر دینی چاہیے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی کوئی اقوامِ متحدہ وجود میں آ جائے۔ مسلم اقوامِ متحدہ کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا انفرادی تشخص ختم ہو جائے، بلکہ اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ کچھ مقاصد کی مل کر آبیاری کریں۔ نظری اعتبار سے او آئی سی اور اس تصور میں کوئی فرق نہیں۔

اقبال کی یہی حقیقت پسندی برصغیر کی تقسیم کے معاملے میں بھی نظر آتی ہے۔ اپنی شاعری میں وہ ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' کہتے نظر آتے ہیں۔ لیکن عملاً وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ بات پورے ہندوستان کے حوالے سے بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ وہ اس کے بھی ایک خطے ہی پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ اللہ کے آخری رسول کی پوری حیاتِ مبارکہ آئیڈیلزم اور حقیقت پسندی کا حسین ترین امتزاج ہے۔ ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ یہی تھا کہ وہ رسول ہیں اس لیے انھیں ہر صورت میں غالب رہنا ہے۔ ان کی مدد کو آسمان سے فرشتے بھی اتر سکتے تھے اور اترتے رہے، لیکن چونکہ انھوں نے ہمارے لیے ایک اسوۂ حسنہ چھوڑنا تھا، اس لیے سیرت کے مراحل میں حدیبیہ، احد اور احزاب جیسے مقامات موجود ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آج مسلمانوں کی خیرخواہی کا یہی تقاضا ہے کہ انھیں ملی اور قومی امور میں وہی رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی جائے جس کا مظاہرہ وہ اپنی انفرادی زندگی میں کرتے ہیں۔ ملا عمر جیسے لوگوں کی نیک نیتی زیر بحث نہیں، لیکن اس طرز عمل کو آئیڈیل ثابت کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں المیوں کا تسلسل جاری رہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

ابوبکر بن عبدالرحمان مخزومی

ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام بنومخزوم کا سردار ہونے کی وجہ سے مخزومی، قبیلۂ قریش سے تعلق کی بنا پر قرشی اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے اور وہیں مقیم ہونے کے باعث مدنی کہلاتے تھے۔ ان کے والد عبدالرحمان بن حارث اپنے قبیلے کے عاقل و فاضل بزرگ تھے، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے، لیکن آپ کی صحبت سے فیض یاب نہ ہو سکے۔ ان کے دادا حارث بن ہشام نے فتح مکہ کے موقع پر ام ہانی کے گھر پناہ لی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ابوجہل حارث کا بھائی تھا۔ ابوبکر مخزومی کی ولادت حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام فاختہ بنت عتبہ تھا۔ ان کے چھ بھائیوں عبداللہ، عبدالملک، عکرمہ، محمد، مغیرہ اور یحییٰ اور دو بہنوں ام حارث اور عائشہ کے نام معلوم ہیں۔ ابوبکر کا نام محمد اور کنیت ابوالرحمان بتائی گئی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا نام اور کنیت، دونوں ابوبکر تھے۔ ابوبکر اور عروہ بن زبیر جنگ جمل میں شریک ہونے کے لیے طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام کے لشکر میں گئے تو کم سن ہونے کی وجہ سے دونوں کو واپس کر دیا گیا۔

انھوں نے اپنے والد عبدالرحمان بن حارث، ابوہریرہ، عمار بن یاسر، نوفل بن معاویہ، عائشہ، ام سلمہ، ام معقل، عبدالرحمان بن مطیع، ابومسعود انصاری، جریر بن جابر، عبداللہ بن زمعہ، مروان بن حکم، ابو رافع نبوی اور اسماء بنت عمیس سے حدیث روایت کی۔ ان سے ان کے بیٹوں عبدالملک، عمر، عبداللہ اور سلمہ، ان کے آزاد کردہ غلام سمی، ان کے بھتیجے قاسم بن محمد بن عبدالرحمان، زہری، عامر شعبی، عبدربہ بن سعید، عمر بن عبدالعزیز، عبدالواحد بن ایمن، عبداللہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بن کعب، ابراہیم بن مہاجر، جامع بن شداد، حکم بن عتیبہ، خالد بن زید، عراک بن مالک، عکرمہ بن خالد، عمارہ بن عمیر، عمرو بن دینار، مجاہد بن جبر، یزید بن ابوسمیہ، یزید بن عبداللہ اور عبدالحمید بن عبداللہ نے حدیث روایت کی۔

ابوبکرمخزومی فقہ اور حدیث کے بڑے عالم تھے۔انھوں نے بہت سی احادیث روایت کیں، انھیں ثقہ سمجھا جاتا تھا۔ابن سعد نے ان کا شمار تابعین مدینہ کے طبقۂ ثانیہ میں کیا ہے۔فقہ میں ان کی مہارت اس درجہ تک پہنچی تھی کہ انھیں مدینے کے سات گرامی قدر فقہا فقہاے سبعہ میں شامل کیا گیا۔مدینہ منورہ میں فتویٰ ان سات حضرات ہی سے لیا جاتا اگرچہ حضرت عمر کے پوتے سالم جو ایک جلیل القدر عالم تھے، ان کے ہم عصر تھے۔ابوبکر بن عبدالرحمان کے بھائی عمر، عکرمہ، مغیرہ اور عبداللہ کم احادیث روایت کرنے کے باوجود اس قدر ثقہ اور معتبر تھے کہ ان کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ان کے بیٹے عبداللہ بن ابوبکر مخزومی مشہور مورخ اور ماہر مغازی ابن اسحاق کے استاد تھے۔

۸۷ھ میں ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے اپنے بہنوئی عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کا گورنر مقرر کیا۔مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور طائف ان کی عمل داری میں تھے۔ان دنوں مدینہ باصلاحیت اور ذہین لوگوں کا مرکز تھا، عمر نے اپنے پیش رووں کی طرح مستبدانہ طرز حکومت اختیار نہ کیا۔انھوں نے دس متقی فقہا کی مجلس مشاورت بنائی، اس میں فقہاے سبعہ؛ سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمان مخزومی، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد اور خارجہ بن زید کے علاوہ ابوبکر بن سلیمان، سالم بن عبداللہ اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہ شامل تھے۔شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا: ''میں نے آپ سب کو ایک ایسے کام کے لیے بلایا ہے جس کا آپ کو اجر ملے گا اور آپ حق کے مددگار بھی بن جائیں گے، میں چاہتا ہوں آپ کے مشورے اور رائے کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کروں۔میرے کارندوں کی کڑی نگرانی کریں۔اگر آپ میں سے کوئی کسی اہل کار کو ظلم کرتا دیکھے یا اسے کسی عامل کی زیادتی کی شکایت ملے تو میں اس اطلاع پانے والے کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے ضرور خبر کرے۔'' ایک دفعہ عروہ بن زبیر نے بنومصعب کا کچھ مال ابوبکر مخزومی کے پاس امانت رکھوایا۔اتفاق سے اسے کچھ نقصان نے آلیا۔عروہ نے انھیں پیغام بھجوایا، آپ پر کوئی تاوان نہ ہوگا کیوں کہ امانت ضائع ہونے پر تاوان نہیں لیا جاتا۔ابوبکر نے جواب دیا، مجھے معلوم ہے، مجھ پر چٹی نہیں، لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ قریش کو بتائیں، میری امانت تلف ہوگئی۔چنانچہ انھوں نے اپنا ذاتی مال فروخت کرکے ادائیگی کی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان ابوبکر کی بہت عزت کرتا تھا۔اس نے اپنے بیٹوں اور جانشینوں ولید اور سلیمان کو بھی ان سے عزت سے پیش آنے کی وصیت کی۔عبدالملک کا کہنا تھا، میں اپنے ہاں برے ریکارڈ کی وجہ سے مدینہ کے

www.alhawrid.org www.javedahmadghamidi.com

باشندوں کے خلاف کوئی ایکشن لینے کا ارادہ کرتا ہوں تو ابوبکر بن عبدالرحمان یاد آجاتے ہیں۔ مجھے ان سے حیا آتی ہے تو اپنا ارادہ ترک کر دیتا ہوں۔

فقیہ مخزومی کی بینائی زائل ہو چکی تھی۔ سجدہ کرتے وقت بیماری کی وجہ سے اپنا ہاتھ پانی کے تھال میں رکھ لیتے۔ ابوبکر کی تین شادیاں ہوئیں۔ سارہ بنت ہشام سے ان کے چھ بیٹے عبدالرحمان، عبداللہ، عبدالملک، ہشام، سہیل اور حارث اور ایک بیٹی مریم پیدا ہوئے۔ قریبہ بنت عبداللہ سے دو بیٹے سلمہ اور عمر اور ایک بیٹی ربیحہ تھے۔ تیسری بیوی رمیثہ بنت ولید سے ایک ہی بیٹی فاطمہ نے جنم لیا۔

ابوبکر مخزومی عالم ہونے کے ساتھ سخاوت کی صفت بھی رکھتے تھے۔ نوافل کثرت سے پڑھتے تھے، اس لیے راہب قریش کہلاتے تھے۔ ہمیشہ روزے سے رہتے۔ وہ خوش پوشاک تھے، پست مونچھیں رکھتے تھے۔ ابوبکر بن عبدالرحمان مخزومی کی وفات نہاتے ہوئے ہوئی۔ ان کا سن وفات ۹۳ھ اور ۹۹ھ بھی بیان کیا گیا ہے، لیکن مشہور یہی ہے کہ وہ ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔ اسی سال تین اور جلیل القدر تابعی فقہا سعید بن مسیّب، علی بن حسین زین العابدین اور عروہ بن زبیر نے وفات پائی، اس لیے یہ عام الفقہا (فقہا کی موت کا سال) کے نام سے مشہور ہے۔

مطالعۂ مزید: طبقات ابن سعد، تہذیب الکمال (مزی)، وفیات الاعیان (ابن خلکان)، تہذیب التہذیب (ابن حجر)، تذکرۃ الحفاظ (ذہبی)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلا (ذہبی)۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ڈاکٹر محمد طاہر منصوری

"The Only Son offered for Sacrifice :

Isaac Or Ishmael

with Zamzam, Al-Marwah, and Makkah in the Bible"

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مصنف : عبدالستار غوری

صفحات : ۳۱۰

قیمت : -/۳۰۰ روپے

ناشر : المورد، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سائنسز

یہود و نصاریٰ نے اپنی کتب مقدسہ میں جس طرح تحریف و تبدیلی کی ہے، اس کا واضح ثبوت وہ مسخ شدہ تاریخی حقائق و واقعات ہیں جو تحریف شدہ بائیبل میں جا بجا ملتے ہیں۔ ایک اہم تاریخی حقیقت جسے یہود و نصاریٰ نے مسخ کیا ہے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ ہے۔ قرآن کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیش کی تھی۔ اس بنا پر وہ ذبیح اللہ ہیں۔ اس کے برعکس یہود و نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق کو جو ان کے اکلوتے اور انتہائی محبوب بیٹے تھے، قربانی کے لیے پیش کیا، حضرت اسحاق نے تابع داری کا ثبوت دیتے ہوئے بلا حیل و حجت باپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی تابع داری پسند آئی۔ چنانچہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی جگہ مینڈھا قربان کرنے کا حکم دیا۔ اس

طرح حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

اسرائیلی روایات کے زیر اثر بعض مسلمان مفسرین کو بھی یہ مغالطہ ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کیا وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ ماضی قریب میں برصغیر کے مایہ ناز مسلمان محقق و مفسر مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۲ ۔ ۱۹۳۰ء) نے مشہور تحقیقی رسالے ''الرای الصحیح فیمن ہو الذبیح'' میں محکم دلائل کے ساتھ اس فکری مغالطے کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔

معروف دانش ور و محقق جناب عبدالستار غوری صاحب نے اس تحقیق کو مزید آگے بڑھایا ہے۔ ان کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے تاریخ و تفسیر کے کلاسیکی مصادر اور قدیم مسلم مفسرین کی آرا پر انحصار کرنے کی بجائے بائیبل اور مستند مغربی تصنیفات پر اپنے استدلال کی عمارت کھڑی کی ہے اور اس طرح ایک مغربی قاری کی غلط فہمیوں اور شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس واقعے کے حوالے سے بائیبل میں جو تحریف کی گئی ہے، اسے مصنف نے مغربی مصنفین کے حوالے سے نمایاں کیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مصنف نے بائیبل سے تفصیل کے ساتھ قربانی کا واقعہ نقل کیا ہے۔ ان کے خیال میں واقعے میں مذکور ''اکلوتے بیٹے اسحاق'' کے الفاظ تحریف کاروں کا ''کارنامہ'' ہے۔ جنھوں نے مخصوص مقاصد کے تحت یہ اضافے کیے ہیں جبکہ بائیبل ہی کے کئی دوسرے بیانات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ۱۴ برس تک اکلوتے بیٹے کے طور پر رہے۔ کتاب پیدایش، باب ۱۶ کی آیت ۱۶ کے مطابق:

> ''اور جب ابرہام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرہام چھیاسی برس کا تھا۔''

کتاب پیدایش، باب ۲۱ کی آیت ۵ میں ہے:

> ''اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا، ابرہام سو برس کا تھا۔''

گویا حضرت اسحاق کی پیدایش کے وقت حضرت اسماعیل ۱۴ برس کے تھے اور وہ ۱۴ برس تک حضرت ابراہیم کے اکلوتے بیٹے کے طور پر رہے۔

مصنف نے یہ بات بھی ثابت کی ہے کہ ذبیح اللہ کے جو خصائص بائیبل نے بیان کیے ہیں، وہ بدرجۂ اتم حضرت اسماعیل پر منطبق ہوتے ہیں۔ ان میں پہلی نرینہ اولاد ہونا، والد کی محبوب ترین اولاد ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ انھوں نے یہ تاریخی حقیقت بھی بیان کی ہے کہ زمانۂ قدیم سے اس علاقے میں یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ پہلی اولاد کو ہی اللہ کی

راہ میں دیا جاتا تھا۔(ص ۲۸)

بائیبل کی کتاب استثنا کے باب ۲۱ کی آیات ۱۵۔۱۷ کے حوالے سے مصنف نے یہ بات ثابت کی ہے کہ پہلا بیٹا ہونے کا حق صرف اسی کو ہوتا ہے جو پہلے پیدا ہو، کسی اور بنیاد پر دوسری اولاد کو پہلا بیٹا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جہاں تک باپ کی عزیز ترین اولاد ہونے کا تعلق ہے، بائیبل کے شارحین خود اس امر کے معترف ہیں کہ حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کے مقابلے میں زیادہ عزیز تھے۔(ص ۴۲۔۴۳)

فاضل مصنف کے خیال میں بائیبل میں مذکور واقعۂ قربانی میں ''جسے تو سب سے زیادہ پیار کرتا ہے'' کے الفاظ کا محل حضرت اسماعیل ہیں، نہ کہ حضرت اسحاق (ص ۴۴)۔ فاضل مصنف نے اس موقع پر غیر مسلم مصنفین کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت اسحاق ان اوصاف سے محروم تھے جن کے باعث وہ اپنے والد کی بے پایاں محبت کے مستحق بن سکیں۔ اس باب میں وہ بعض ایسی عبارتوں کی توثیق کرتے نظر آتے ہیں جنھیں عصمت الانبیا کے عقیدے کے تحت قبول نہیں کیا جا سکتا (ص ۴۳)۔ گو کہ انھوں نے حاشیے میں اس کی وضاحت کی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم کا محبوب اور پیارا بیٹا ثابت کرنے کا مطلب حضرت اسحاق کے مرتبے کو ـــــ نعوذ باللہ ـــــ کم کرنا نہیں ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی نگاہ میں تمام انبیا یکساں طور پر احترام و محبت کے مستحق ہیں۔ تاہم ہمارے خیال میں یہ ساری بحث بلا ضرورت ہے۔ اس سے زیر بحث مسئلے کو حل کرنے میں کوئی زیادہ مدد نہیں ملتی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فاضل مصنف نے مقام قربانی کے حوالے سے بھی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ بائیبل کے بیان کے مطابق وہ جگہ جہاں خدا نے حضرت ابراہیم سے حضرت اسحاق کی قربانی طلب کی تھی، وہ ''موریاہ'' ہے۔ موریاہ کہاں واقع ہے؟ اس کے بارے میں شارحین بائیبل مختلف آرا رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ حبرون کے قریب واقع ایک مقام ہے، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام رہایش پزیر تھے۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی گئی۔ ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ ''موریاہ'' جریزم کی پہاڑی ہے۔ ان متضاد آرا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بائیبل کے شارحین ''موریاہ'' کے محل وقوع کے بارے میں کوئی ٹھوس معلومات نہیں رکھتے تھے۔ یہ شارحین خود بھی اس بات کے معترف ہیں کہ حضرت ابراہیم کے عہد کا ''موریاہ'' کوئی مجہول مقام ہے۔(ص ۶۷۔۷۷)

فاضل مصنف نے اس حوالے سے کچھ بنیادی سوالات اٹھائے ہیں جو ''موریاہ'' کے محل وقوع کے تعین میں مدد

دیتے ہیں۔ مثلاً سوال نمبر۱۲ (ص ۸۲) میں یہ کہا گیا ہے کہ کیا کوئی ایسا تاریخی ثبوت ملتا ہے کہ حضرت اسحاق کو ''موریاہ'' نامی کسی جگہ پر قربانی کے لیے لے جایا گیا ہو، وہ جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق کے حوالے سے تو کوئی ثبوت نہیں ملتا، لیکن حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد کا مروہ (بائیبل کا ''موریاہ'') کے مقام پر صدیوں سے قیام پزیر ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔ (ص ۹۶)

آگے چل کر مصنف یہ واضح کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے قربانی کے لیے اپنے بیٹے کو جس مقام پر پیش کیا تھا وہ مروہ ہے جسے بائیبل نے ''موریاہ'' کا نام دیا ہے۔ زبور کے ایک اقتباس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے بعد ''مکہ'' ہی وہ جگہ تھی جہاں حضرت اسماعیل آباد ہوئے اور حج کا مقام بھی وہی بیت اللہ تھا جسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے تعمیر کیا تھا۔ اس ساری گفتگو سے مصنف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے اکلوتے اور پیارے بیٹے اسماعیل کو مکہ میں موجود مروہ کی پہاڑی کے قریب قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔

کتاب میں ذبیح اور موریاہ کے تعین کے علاوہ بئر شیبا (سبع) پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بائیبل میں مذکور ''بئر شیبا'' دراصل مکہ میں موجود زمزم کا کنواں ہے۔

ایک اہم نکتہ جو مصنف نے اس ضمن میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ بائیبل میں ۳۴ مقامات پر ''بئر شیبا'' کا لفظ آیا ہے، اس ضمن میں ایک جگہ اس کے ساتھ ''بیابان'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ''بئر شیبا''، جہاں حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ موجود تھے وہ کسی بیابان میں نمودار ہوا تھا اور یقیناً وہ مکہ تھا، کیونکہ مکہ ایک بیابانی علاقہ تھا، جہاں کسی حیات کا تصور بھی نہ تھا۔ ''سبع'' کا لفظ حضرت ہاجرہ کے سات چکروں کی مناسبت سے لگایا گیا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت مطلوب ہے۔ مصنف اس سے قبل یہ کہہ چکے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو موریاہ میں ''بئر شیبا'' کے قریب منتقل کیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ کنواں زمزم ہے تو اسلامی روایات کے مطابق وہ حضرت اسماعیل سے قبل موجود نہ تھا، بلکہ اس وقت پھوٹا جب ان کے والد انھیں لق ودق صحرا میں اپنی والدہ کے ہمراہ چھوڑ گئے تھے۔

جناب غوری صاحب کی کتاب ذبیح، مروہ، بئر شیبا، بکہ جیسے اہم موضوعات پر بہت قیمتی معلومات فراہم کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے موقف کو بہت محکم دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ان موضوعات پر موجود مغربی اہل قلم کی تحریروں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ان کا انداز گفتگو ایک مناظر کا نہیں، بلکہ ایک سنجیدہ محقق کا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انھوں نے یہودی و عیسائی مصنفین کے فکری مغالطے، بائیبل کے اندرونی تضادات، اس میں واقع ہونے والے تحریفی عمل کو بہت موثر انداز میں اجاگر کیا ہے۔ ذبیح اللہ کے حوالے سے مغربی مصنفین کے پھیلائے ہوئے شبہات اور مغالطّوں کو انھوں نے بہت مضبوط دلائل کے ساتھ رفع کیا ہے۔ یہ بلا شبہ ایک بہت گراں قدر علمی کوشش ہے۔ غوری صاحب اس کے لیے بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org